فائزہ افتخار

یہ رنگ کچے نہیں

"حسنو! میں کون کون سے ڈریسز رکھوں؟" خولہ نے الماری میں سر گھسائے ہوئے پوچھا۔

"رکھ لو کوئی سے بھی۔"

وہاں بے زاری کا وہی عالم تھا جو ہر چھٹی پہ اسلام آباد جاتے ہوئے ہوا کرتا تھا۔

"یہ ٹھیک ہیں؟" اس نے دو تین دیگر ڈریسز لہرا کے دکھائے۔

"ہاں ٹھیک ہیں۔"

اس نے بغیر دیکھنے کی زحمت کیے جان چھڑائی جس پہ خولہ کو تاؤ آگیا۔

"دیکھے بغیر کیسے پتہ چل گیا کہ ٹھیک ہیں؟"

"ہزار بار تو دیکھے ہیں۔" وہ چڑ کے بولی تو خولہ کو بھی غصہ لگ گیا۔

"ہزار بار؟ واقعی یار! یہ تو بہت پرانے ہیں۔ اگر اسرار کے خوف نے اور کچھ کرنے ہی نہیں دیا۔ کب سے نہ مارکیٹ کا چکر لگایا نہ کوئی نئے ڈریسز بنوائے چلو ہم کسی دن ٹھیک ٹھاک ہو کر نکلتے ہیں۔ کم از کم دو نئے سوٹ تو ہونے چاہئیں۔"

"خولہ! میں تمہیں کتنی بار بتاؤں میری خالہ وہاں بالکل اکیلی رہتی ہیں۔ ان کا کوئی جوان بیٹا کیسے ہے

مکمل ناول

اس لیے تمہاری یہ سب تیاریاں بے کار جائیں گی۔ جو ہے وہی رکھ لو۔ بوتیک میں پیسے ضائع کرنے سے کچھ نہیں ملے گا۔"

"تو تمہارا خیال ہے میں سیر میں۔۔۔" غصے کے مارے اس سے بات مکمل نہ ہو سکی۔

"دماغ مت کھاؤ میرا۔ ایک تو ویسے ہی وہاں جانے کے خیال سے میرا موڈ آف ہو جاتا ہے۔ پتہ نہیں کیا ہے ماما کو بھی۔ کتنی لڑکیاں ہاسٹل میں مزے سے چھٹیاں بھی گزار رہی ہیں مگر مجھے جانا پڑتا ہے اپنی خونخوار خالہ کے پاس۔ اس سے تو اچھا ہے میں کوئی جھوٹی موٹی وارداتیں کر کے چند دن حوالات کی سیر کر آیا کروں۔"

"ڈونٹ وری۔ پہلے وہاں تنہائی کی وجہ سے بور ہوتی ہو گی تمہیں۔ اس بار تو میں بھی جا رہی ہوں پھر فکر کی کیا بات ہے!"

خولہ کی اس بات پہ اس نے بے زاری سے اس کے کھلے کھلے چہرے کو دیکھا۔

"تب ہی تو اصل فکر والی بات ہے۔"

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"میں تمہارے اکیلے پن کی وجہ سے اپنا گھر چھوڑ کے یہ چھٹیاں تمہارے یہ چند روز سہانے دن تمہاری سزا کی خالہ کے ہاں اس سوسائٹی ہوئے شہر اسلام آباد میں ضائع کرنے جا رہی ہوں۔ اس پہ بھی تم جتائے میرا احسان مانتے کے بجائے کیا باتیں سنا رہی ہو۔"

"اس لیے کہ ابھی تک میرے جیسے میں یہ بات نہیں سنا رہی کہ تم کسی کی قربانی پہ احسان کرنے والی ہو نہیں پھر اس مہربانی کی وجہ؟ کیا دبا ہوا ہے اسلام آباد میں جو تمہارا ایکٹر بن کر جا رہی ہو؟"

خولہ نے ہاتھ میں پکڑا ٹریول بیگ نیچے پھینکا۔ پاؤں کی ٹھوکر سے اسے دو بار صحن تک کے لیے دھکیلا اور خود پہ بیٹھنے کی تھکن کے باوجود کمر کے بل گر کر اپنی کمر کی تکلیف کی

سدرہ کی جان پہ بن آئی۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟"

"وہی جو تم چاہتی ہو۔ جب سے آئی ہو مسلسل یہی کوشش کر رہی ہو کہ کسی طرح مجھے جانے سے روک سکو۔ اب تو مجھے بھی یہی شک ہو رہا ہے کہ اسلام آباد میں تمہارا ایسا کیا دبا ہوا ہے جس کے بارے میں تمہیں ڈر ہے کہ وہ میں نہ نکال لوں۔"

"میں تو مذاق کر رہی تھی یار!" اس نے مرے مرے لہجے میں کہا۔

اکیلے وہاں پندرہ دن گزارنے کے خیال سے ہی تکلیف ہو رہی تھی۔ جب بھی گئی کسی نہ کسی ویک اینڈ پہ گئی یا زیادہ سے زیادہ تین چار دن گزار لیے۔ ظاہر ہے چھٹیوں میں ہاسٹل میں رہنے کی نہ کوئی تک سمجھ میں آتی نہ اس کا اتنا حوصلہ تھا کہ اکیلی بڑے سے اور اونچی چھت والے کمرے میں دن رات گزار سکے۔ زیادہ لمبی چھٹیوں میں تو وہ ماما پاپا کے پاس چلی جایا کرتی تھی۔ اس بار ان کا کمرے پہ جانے کا ارادہ تھا اس لیے اسے پاکستان میں ہی رہنے اور خالہ کے پاس اسلام آباد جانے کا آرڈر ملا تھا۔ اس نے اپنا مسئلہ ولید فرحان دوست خولہ سے شیئر کیا تو وہ جیسے تیار بیٹھی تھی۔ فوراً ساتھ جانے کو راضی ہو گئی اور یہی بات سدرہ کو مسلسل شک میں مبتلا کر رہی تھی ورنہ بات تو بہت اطمینان بخش تھی کہ اس بور ترین گھر میں بور ترین خالہ کے ساتھ پندرہ دنوں کی سزا میں یہ خوشگوار رعایت۔

اسی لیے اس کی ناراضی پہ خفت عادت اسے منانے بیٹھ گئی۔

"ذرا ذرا سی بات سائنڈ کر جاتی ہو۔ میرا یہ مطلب تو نہیں تھا۔ میرا مطلب تو یہ تھا۔۔۔"

"مطلب کوئی بھی ہو یہ ثابت ہو چکا ہے کہ تم بے حد مطلبی ہو۔" اس نے الماری زور سے بند کر کے اپنا غصہ ظاہر کیا۔

"تو تم نہیں چل رہی ہو میرے ساتھ؟"

"یہ کس نے کہا؟" وہ اطمینان سے لیٹ کر ہاتھ

ہلانے لگی۔

"تو پھر پیکنگ؟"

"وہ تم کرو گی۔" اس کی آنکھوں میں اکیلے جانے کے خیال سے جو خوف نظر آ رہا تھا وہ خولہ کو نخرے دکھانے پہ اکسانے لگا۔

☼ ☼ ☼

"مجھے ایسے لگ رہا ہے یہ ریلا مجھے کچلتا ہوا آگے بڑھ جائے گا۔" سدرہ نے خولہ کی اوٹ میں ہوتے ہوئے سہم کر کہا۔

"کیا میرے پیچھے گھستی جا رہی ہو' سیدھی چلو۔" ہاتھ تو اس کے دونوں ہی فارغ نہیں تھے بھاری بیگز جو اٹھا رکھے تھے' کہنی مار کے اسے "ریلو راست" پہ لانے کی کوشش کی۔

"سیدھی ہی چلنے کی کوشش کر رہی ہوں مگر کوئی نہ کوئی دھکا دے کر یہاں سے وہاں کر دیتا ہے اور تم یہ بیگز کسی قلی سے نہیں اٹھوا سکتی تھیں ہنجوس بھی جو ہیں۔ بیس پچیس روپے ہی لے گا نا! میں دے مر تی ہوں بیگز کو اٹھا کے چلنا کتنا مشکل ہے۔ تو۔۔۔"

"اور تمہارے ساتھ ہوتے ہوئے کسی بھی قلی کے ساتھ چلنا اور بھی مشکل۔"

وہ تو ایک نہیں دو دو بیگز اٹھائے ہوئے تھی' کاندھے پہ پانی کا تھرماس' شولڈر بیگ اور ہاتھ میں رول کیا ہوا میگزین بھی' اس لیے ہانپتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ دھاڑی۔

"یعنی میں۔۔۔ میں۔۔۔ سدرہ خواجہ اتنی گئی گزری ہوں کہ قلی پہ بری نظر ڈالوں گی۔"

"یہ تمہارے دل کا چور اور داڑھی کا تنکا ہے' ورنہ میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔ وہ دیکھو جو بھی قلی نظر آ رہا ہو گا تمہیں' ذرا اس کی اسپیڈ چیک کرنا۔ سامان اٹھا کے بھاگ رہے ہیں جیسے اور پیچھے پیچھے سامان کے مالک۔ اب تم اپنی دھکا اسٹارٹ اسپیڈ پہ غور کرو۔ تمہیں ساتھ ساتھ رکھنے کی کوشش کرتی یا قلی کے پیچھے جاتی۔ پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ وہ سامان لے کر کہاں دفع ہوا تھا۔

مطلوبہ پلیٹ فارم پہ پہنچ کر اس نے زمین پہ بیگ رکھے اور اپنے بازو سہلانے لگی۔

"تمہیں پتہ نہیں کیا تکلیف تھی جو ریلوے اسٹیشن کے مست نظارے دیکھنے یہاں آ مری ہو۔ ڈائیو کا اسٹاپ ہمارے ہاسٹل سے صرف دس منٹ کی ڈرائیو پہ تھا۔ آرام سے پہنچ جاتے ہاں اور مزے سے پرسکون سا سفر کرتے' ٹھنڈا ٹھنڈا۔"

"یہاں بھی ہم ٹرین کے ڈبے سے لٹکتے ہوئے نہیں جائیں گے۔ نہ دھوپ میں جلتے۔ فرسٹ کلاس کی ٹکٹ لی ہے میں نے۔ ڈائیو سے زیادہ آرام دہ سفر ہو گا۔"

"لگتا تو نہیں۔ یہ رش دیکھ رہی ہو تم۔ لگتا ہے سارے کا سارا لاہور گھر سے تنگ آیا ہوا ہے۔ میں اتنی بھیڑ بھاڑ میں ہرگز سفر نہیں کر سکتی۔ ابھی بھی وقت ہے' پلٹو واپس چلتے ہیں۔ پانچ بجے والی ڈائیو میں بیٹھ جائیں گے۔"

"جب کر کے کھڑی ہو لو اور اگر جانا اتنا ہی ضروری ہے تو اکیلی جاؤ۔ مجھ سے نہیں ہو تمہیں کا سفر۔ پانچ گھنٹوں کے لیے بندھ کے بیٹھ جاؤ اور فکر مت کرو' یہ سارے کا سارا ہجوم ہمارے ڈبے میں ہمارے ساتھ سوار ہو کے اسلام آباد نہیں جانے والا۔ اس پلیٹ فارم پہ اور بھی ٹرینیں آئیں گی جو دوسرے کئی شہروں تک جاتی ہیں۔ ابھی۔ اوہ آئی ہماری ٹرین۔"

اسے جھاڑتے پلاتے ہوئے اس نے ایک نعرہ بلند کیا اور دوبارہ سے بیگز اٹھا کے لپکی۔

"ارے سنو۔ ٹرین رکنے تو دو۔۔۔"

اسے تقریباً سمجھاتے ہوئے کہ کے سدرہ نے پکارا۔

"میں بھی چلتی ٹرین میں نہیں چڑھنے والی مگر جلدی کرو۔ آٹھ نمبر کی بس آگے جا کے رکنے والی ہے۔"

☼ ☼ ☼

"شاپنگ کر لی؟"

"کرلیتا ہوں جی۔ اتنی جلدی کیا ہے۔ تم سے مل کر دل کا بوجھ ہلکا کیا کریں۔ ہو گیا ہے کیسا یہ کمال کیا کریں۔ دھن دھنا دھن دھنا۔"

بات کرتے کرتے وہ اس روانی سے گنگنا دیتا کہ سامنے والا بوکھلا کے رہ جائے۔ دو سال سے حبیبہ کے ساتھ تھا لیکن اب تک وہ اس کے پینترا بدلنے والی عادت سے سمجھوتہ نہ کر پائی تھی۔

"بند کرو اپنی یہ دھن دھنا دھن۔ جو کہا ہے وہ کرو' ٹرین چلنے بھی پڑی ہوگی۔ تین بجے کا وقت تھا۔"

"تو ٹھیک تو چار ساڑھے چار ہوگی۔ نو ساڑھے نو تک اسٹیشن پہنچ گی۔ راولپنڈی اسٹیشن سے لوہر تک کا راستہ ٹیکسی پہ پینتیس منٹ کا ہے مگر ٹیکسی ملنے اور بھاؤ کرنے میں پندرہ بیس منٹ اور لگیں گے۔ رات کا وقت' دو لیڈیز۔ ہر ٹیکسی والا دو سو کے بجائے چار سو مانگے گا۔ تین سو پہ معاملہ سیٹ کرتے کرتے سوا دس تو وہیں بج جائے ہیں۔ گیارہ بجے کے قریب وہ آئیں گی بھی تو بندہ چار بجے کے پیٹ بھوک سے ساتھ لگے ہوں گے۔ پہلے وہ کھانے سے دو دو ہاتھ کریں گی۔ نہ کہ اپنا گھر ڈھونڈنے جائیں گی کہ سیٹ ہوا ہے یا نہیں اس لیے مجھے سکون سے چاول دم ہونے دیں۔ دو زیادہ ضروری ہیں۔ یہ تارہ وہ تارہ ہر تارا۔" وہ گنگناتے ہوئے دیگچے میں جھانکنے لگا۔

"تارے تو میں دکھا دوں گی تمہیں۔ وہ بھی دن میں۔"

حبیبہ نے اسے مارنے کے لیے کوئی لکڑی سی چیز ڈھونڈنے کے لیے نظریں گھمائیں تو شاہ رخ نے کمال پھرتی اور مہارت سے کیچن کا دروازہ بند کر لیا۔

"اتنی لمبی بات کرنے کا وقت ہے تمہارے پاس مگر وقت پہ کام نہیں ہو سکتا۔ ایک چاول ہی تو پکانے تھے مگر تم نے پہلے بھگو کے پھر پیس کر بیٹھنے کو۔ اتنی دیر میں تو دس چیزیں پک جاتیں۔"

"دس۔؟" اس نے حیرت سے دہراتے ہوئے اور قہقہہ لگایا۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دس کھانے وہ بھی اس گھر کے کچن میں اور وہ بھی آپ کی زندگی میں۔ کبھی الوداع نہ کہنا۔ کبھی الوداع۔ نہ کہنا۔"

"میرا خیال ہے تمہاری بدتمیزیوں' کام چوریوں اور بدحرامیوں کا گراف اگر ایسے ہی بلند ہوتا رہا تو تمہیں الوداع کہنا ہی پڑے گا مسٹر شاہ رخ!"

"آپ نے اتنے سارے الزام لگا کے میرے غصے کو ضرور جگایا ہے اور غیرت کا تقاضہ ہے کہ میں ابھی' اسی وقت یہ نوکری چھوڑ دوں مگر وہ جو بعد میں آپ نے اتنے پیار سے مسٹر کہہ کے میرا نام لیا ہے نا' اس سے سارا غصہ اتر گیا ہے۔ سو! کہیں دھر کنیں تجھ سے کیا۔"

حبیبہ تلملاتی ہوئی کچن سے نکل گئی۔

"عجیب عذاب مول لیا ہے میں نے اسے ملازم رکھ کے۔ کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے میں نے اسے ملازم رکھا ہے یا اس نے مجھے ملازم رکھ لیا ہے۔ نالائق۔ میں خود ہی دیکھ لیتی ہوں۔"

ویسے تو اتنے اہتمام کی قائل نہ تھی۔ وہ بھی ایسے مہمان کے لیے جس نے مہینے میں ایک آدھ بار تو ضرور ہی ٹپکنا ہوتا ہے۔ یوں بھی سدرہ زیادہ سے زیادہ تین دن کے لیے آتی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں ہی اسے ٹھہرا لیتی لیکن ایک تو اس بار اس کا قیام تقریباً دو ہفتے کا تھا' دوسرا اپنے ساتھ اپنی کسی دوست کو بھی لائی تھی۔ دو ہفتوں تک تو حبیبہ اپنے سائے کو بھی اپنے ساتھ برداشت نہ کرے۔ یہ تو پھر دو لڑکیاں تھیں۔

☆ ☆ ☆

"سخت بھوک لگ رہی ہے یار!"

"تو یہ ہیشہ تمہارا یا کہ کوئی اندھا کنواں ہے۔ بھی ڈالو تو کم ہو جاتا ہے۔ بیکری سے بیک کرائے چکن رولز اور ڈرم اسٹکس بھی تم نے ٹھونس لیں' ٹرین میں ملے سینڈوچز اور پیسٹری بھی ہڑپ کر چکی ہو' اور

کبھی چپس کا پیکٹ' کبھی نمکو کا' کبھی پی تس کا۔ مسلسل چرتی جا رہی ہو' اس کے باوجود بھوک لگی ہے۔ اب تو میں بکی ہوں' مجھے کھاؤ۔"

سدرہ نے دانت پیستے ہوئے مقدور بھر ہلکی آواز میں کہا۔

"میں نے کھانا کھانا ہے۔ سر درد کی دوا نہیں۔"

خولہ نے اسے گھورا اور پھر سے شاپنگ بیگ میں ہاتھ مارنے لگی۔

"ہسکٹس بھی تو رکھے تھے' یہ رہے۔"

اب اس نے بسکٹ کا پیکٹ کھولا اور اکٹھے تین چار نکال لیے۔

"خولہ! ذرا خود پہ کنٹرول رکھو۔ کس قدر زیادہ موٹی ہو گئی ہو تم۔" سدرہ نے اسے کترکتر بسکٹ کھاتے دیکھ کے ناگواری سے کہا۔

"کچھ نہیں ہوتا۔ میں تمہاری طرح ڈھیلا ڈھیلا سی آٹے جیسا اسٹرکچر نہیں رکھتی جو ذرا سا کھایا اور توند آف شہب ہو گئے۔ نہ ہی تمہاری طرح بستر پہ ڈھیر رہتی ہوں۔ بڑھنا بھی لیٹ کر کھانا بھی ہو ہیں نیم دراز ہو کے۔ میں تو صبح مارننگ واک' شام کو جاگنگ' رات کو واک۔ اس کے علاوہ ہفتے میں تین دن جم جا کے جو گھنٹہ گھنٹہ ایکسرسائز کرتی ہوں' وہ بھی دو ہزار مہینے کے دے کر۔ ان سب کا کیا فائدہ اگر کھانا بھی پیٹ بھر کے نہ کھا سکیں۔"

"تم کھاتی ہی رہو تو ٹھیک ہے۔" سدرہ سمجھوتا کرنے والے انداز میں بڑبڑائی۔

"مسلسل چرنے کے باوجود تمہارے بولنے کی رفتار یہ ہے تو خالی منہ کتنا بولو گی تم۔"

"ایک بات پوچھوں۔"

"نہیں۔" سدرہ نے دو ٹوک جواب دے کر منہ پھیر لیا۔

"میں تمہاری عمر نہیں پوچھوں گی' بے فکر رہو۔"

"میری عمر تمہیں پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اپنی عمر تو پتہ ہے نا۔ بس اس سے ڈھائی سال کم ہوگی۔"

"ڈھائی نہیں' ڈیڑھ۔" خولہ بلبلا اٹھی۔ "ہمیشہ گڑبڑ کرتی ہو تم اور میں تمہاری خالہ کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ کیا وہ سخت ہیں؟"

"اوں۔" وہ سوچ میں پڑ گئی پھر غیر یقینی سے انداز میں سر ہلایا۔ "ہیں بھی اور نہیں بھی۔ دراصل ان کی سب سے تکلیف دہ اور ناقابل برداشت خصوصیت یہی ہے کہ ان کے بارے میں کچھ بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔ پل میں تولہ' پل میں ماشہ ہوتی ہیں۔ اب اگر کسی کی عادتوں اور مزاج کا پتہ ہو تو ان کے مطابق ایڈجسٹ ہو جانا پھر بھی آسان ہوتا ہے مگر خالہ مائی گاڈ۔ ان کے ساتھ رہنا ایک عجیب و غریب تجربہ ہوتا ہے۔ اگر کبھی ان کے خوشگوار موڈ کا ساتھ دینے کے لیے تھوڑا ہنس بول لو تو فوراً" اپنے خول میں بند ہو جائیں گی اور مجھے بدلتا اور پتہ نہیں کیا کیا کہہ ڈالیں گی کہ تمہارا میرا کوئی مذاق کا رشتہ نہیں' جاؤ میں رہو وغیرہ وغیرہ اور پھر ذرا سنجیدہ ہو کے بیٹھ جاؤ تو لانگ لیکچر سننے کو ملتا ہے کہ ایسی شکل بنا کے بیٹھنے سے نحوست پھیلتی ہے اور یہ کہ انسان کو ہر دم مسکراتے رہنا چاہیے۔ حالانکہ کچھ دیر قبل وہ مسکرانے رہنے والوں کی شان میں خاصے کرارے اقتباسات سے انہیں

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے 5 خوبصورت ناول

زندگی ایک دوڑ	رخسانہ نگار	500/-
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چوہدری	180/-
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار	400/-
تان سے عورت	فرحت عزیز	150/-
دل اے دھڑکنا	آسیہ رزاقی	300/-

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی۔
فون نمبر: 2216361

کسی مہربان نے آکے میری زندگی بنادی

چنانچہ انور کی موت کو بھی حبیبہ کی زندگی پہ خاص اثر انداز ہوتے ہوئے نہیں دیکھا جاسکتا۔ وہ جیتا مرتا ایک برابر ہی تھا۔

اگر حبیبہ طلاق حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتی تو زیادہ سے زیادہ بیس روپے حق مہر کے ہی وصول کرپاتی اور فی زمانہ بیس روپے کا آتا کیا ہے۔ ایک برگر خریدو تو ساتھ میں چپس اور بوتل تک نہیں لے سکتے مگر بیوہ ہونے کے جہاں اس نے بہت سے فائدے حاصل کیے' وہیں انور کی تمام جائیداد کی اکلوتی وارث بننے کا مزا بھی اوٹا۔

اور یہی وہ گہرا اور واضح اثر تھا جو شوہر کی موت سے اس کی زندگی پہ پڑا۔

اب وہ صاحب جائیداد تھی' شوہر اور اولاد نہ ہونے سے ہر قسم کی ذمہ داری سے آزاد۔

ماں باپ جب تک زندہ تھے' اس پہ دوسری شادی کے لیے زور ڈالتے رہے مگر وہ ان کے قابو نہ آئی تو اپنی اپنی زندگی میں سیٹ بہن بھائیوں کے واجبی سے اصرار کو کیا خاطر میں لاتی جو بھی کبھار ملنے پہ بس سرسری سا۔ یونہی تکلفاً" اسے گھر بسانے کا کہہ دیا کرتے۔ اس نے تو اب اس اصرار کا تکلفاً" بھی جواب دینا ترک کر رکھا تھا۔ اب تو ساری فیملی نے اس کی خودسری کے آگے جیسے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ زیادہ زور دینے یا دباؤ ڈالنے کی وہ پوزیشن میں اس لیے نہیں تھے کہ حبیبہ کون سے ان کے آسرے پہ پڑی تھی۔ ڈیڑھ کنال کے رقبے پہ پھیلا یہ بنگلا اس کے نام تھا جس میں وہ تن تنہا رہتی تھی۔ آج ایک حصہ کرائے پہ اٹھا دے تو بیس پچیس ہزار گھر بیٹھے مل جائیں لیکن ایک تو وہ تنہائی پسند تھی یا پھر اتنے سال تنہا رہنے کی وجہ سے تنہائی کو وہ پسند آگئی تھی۔ دوسرا گھر بیٹھے آتے ویسے بھی تیس سے چالیس ہزار ماہانہ مل جایا کرتے تھے۔

راجہ بازار میں انور شفیق کی دو دکانیں کرائے پہ چڑھی تھیں۔ معقول بینک بیلنس تھا جو اسے آنے والے وقت سے بے نیاز کیے ہوئے تھا۔ نہ وہ کسی کے آگے جواب دہ تھی' نہ اس کے سر پہ کوئی ذمہ داری تھی۔ کھلا خرچ' نہ کوئی پوچھنے والا۔۔۔ نہ حساب لینے والا۔۔۔ خرچ کرنے والی وہ اکیلی ذات۔

سوچ سمجھ کے اپنی ذات کو فائدہ پہنچایا۔ یہی وجہ تھی عمر کے یہ گزرے سال اسے چھوئے بغیر کلن لپیٹ کر پاس سے گزر گئے تھے۔ چمکتی ہوئی بے شکن دودھیا جلد' ریشمی بال' نازک سراپا۔۔۔ اس پہ پہننے اوڑھنے کا سلیقہ۔۔۔ ہر ہفتے منگے بیوٹی پارلرز کا چکر۔۔۔ وہ تو تیس کی کیا اٹھارہ سال کی بھی نظر آتی تو کم تھا۔ اس پہ سارا خاندان' بہن بھائی' ان کے بچے' جی حضوری اور خوشامدیں کرنے کو تیار۔ پتہ جو تھا کہ خالہ جانی اور پھوپھو جانی کتنی کمین پسند ہیں۔ ذرا چڑھایا اور پالیے مطلوبہ نتائج۔ بھابیوں کو بھی اس تگڑی نند سے کوئی خطرہ نہ تھا کہ آئے دن کے تحائف انہیں مسرور کیے رکھتے۔ بھائیوں نے بھی اس کے اکیلے رہنے اور شادی نہ کرنے کے مسئلے کو سر پہ سوار نہ کیا کہ اکثر کاروبار میں گھاٹا ہونے پر بہن سے بروقت مالی امداد مل جایا کرتی تھی۔ بہنوئی بھی راضی۔۔۔ رشتے میں چھوٹی ہونے کے باوجود سالی' ساس اور سسر کی کمی پوری کردیتی تھی۔ بہنیں بچوں سمیت چھٹیاں گزارنے بھائیوں کے ہاں جانے کی بجائے یہاں آکر جو میکہ آباد کرلیتی تھیں اور واپسی پہ لدی پھندی بھی ہوتیں۔

بھانجا پاس ہوا ہے تو موٹر سائیکل تحفے میں لے دی۔ بھتیجی کی شادی ہوئی تو آدھا خرچا پھوپھی نے سر لے لیا۔

چھوٹی بہن کے دن قریب آئے تو حبیبہ نے ڈلیوری سے لے کر چلے تک لے اپنے ہاں ٹھہرالیا۔

بھائی نے نیا گھر بینک سے قرضہ لے کر بنایا تو سارے گھر کا پینٹ اور کارپٹ' پردے حبیبہ نے تحفتاً" اپنے ذمے لے لیے۔

کیسے میں کون تھا جسے اس کی خودسری۔۔۔ من مانی' اور پل پل رنگ بدلتی عادتوں اور مزاج کی شکایت کرنے کا حوصلہ ہوتا۔

دودھ دینے والی گائے کی لاتیں بھی بنی خوشی کھالی جاتی ہیں۔

یہی حال سدرہ کے ماما پاپا کا بھی تھا جو کئی سالوں سے بحرین میں مقیم تھے۔ سدرہ تین سال پہلے پاکستان آئی تھی۔۔۔ کیونکہ اس کا ایڈمیشن فاطمہ جناح میڈیکل کالج میں ہوگیا تھا۔ اور بعد میں سدرہ نے شکرانے کے نوافل ادا کیے کہ یہ کالج لاہور میں تھا۔ اسلام آباد میں نہیں ورنہ اسے ہاسٹل کے بجائے خالہ کے ہاں رہنا پڑتا۔

امتحانوں کے بعد کی تعطیلات اور گرمیوں کی چھٹیوں میں وہ بحرین چلی جایا کرتی تھی مگر درمیان میں بلائے ناگہانی کی طرح اچانک آجانے والی تین چار چھٹیاں مجبوراً" اسے اسلام آباد آکے گزارنا پڑتیں۔

خوشامد اور چاپلوسی وہ واحد فن تھے جن سے سدرہ نابلد تھی۔ اس لیے اس کے خیال میں یہی وجہ تھی کہ وہ خالہ کی فیورٹ بھانجی نہیں تھی۔

البتہ مروت اور برداشت اس کے وہ اوصاف تھے جن کی وجہ سے وہ چپ چاپ یہ چند دن ان کے پاس کسی نہ کسی طرح گزار ہی لیا کرتی تھی۔ کسی بہت بڑی تلخی اور ناچاقی کے بغیر۔

کہ بہرحال سدرہ' خالہ کو ناراض کرکے ماما پاپا کی ڈانٹ نہیں کھانا چاہتی تھی۔ یہ الگ بات کہ ان تین سالوں میں اس نے خالہ کو ناراض نہیں کیا تھا تو راضی بھی نہیں رکھ پائی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میری طرف سے صاف جواب ہے۔"

کھانے کی ٹیبل پہ خولہ نے ببانگ دہل اعلان کردیا۔

حبیبہ کے ماتھے پہ ناگوار شکن آتے دیکھ کے سدرہ نے سرزنش کرتی نظروں سے اسے گھورا۔ اندر ہی اندر وہ سخت خائف بھی ہورہی تھی کہ پتا نہیں منہ پھٹ خولہ نجانے کون سا صاف جواب دینے والی ہے۔

"میں کوئی نہیں آپ کو خالہ والہ کہنے والی۔ ویسے کہنا تو سدرہ کو بھی نہیں چاہیے۔ ایمان سے آپ کے برابر ہی لگتی ہے۔ شرم تنی چاہیے اسے آپ کو خالہ کہتے ہوئے۔ خیر اس کا تو رشتہ ایسا ہے مگر مجھے ایسی کوئی مجبوری نہیں۔ پلیز مائنڈ مت کیجیے گا۔ میں آپ کو حبیبہ جی کہہ کر پکاروں گی۔"

"اس میں مائنڈ کرنے والی کیا بات ہے۔"

حبیبہ تو جیسے کھل اٹھی۔ اس کے اپنے کان پک چکے تھے خالہ اور پھوپھو کی تکرار سن سن کر۔

تمہارا جو دل چاہے کہو۔"

"تو حبیبہ جی' یہ بتائیے یہ شاہ رخ سے آپ کی کیا دشمنی تھی؟"

"اس کے ہاتھ کا بنا کھانا کھانے کے بعد بھی تم یہ سوال پوچھ رہی ہو۔" حبیبہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے پلیٹ پرے کی۔

"میں اس شاہ رخ کی نہیں' اصلی والے شاہ رخ کی بات کررہی ہوں۔ اس بے چارے نے آپ کا کیا بگاڑا تھا جو آپ نے اس کے نام کی اتنی مٹی پلید کرڈالی۔"

"مجھ سے پوچھیں۔ شاہ رخ نے ٹرے میں پلیٹیں اکٹھے کرکے رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"تم سے تو خدا پوچھے۔۔۔ اس قدر گھی ڈالا ہے کھانے میں کہ دو چمچے کھانے کے بعد ہی طبیعت بوجھل سی ہورہی ہے۔"

حبیبہ نے اسے بروقت ٹوکا۔ ورنہ سدرہ تو دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے خود کو اس کی طولانی تقریر کے لیے تیار کررہی تھی۔

"قسم لے لیں۔ حبیبہ باجی! جو میں نے ذرا سا بھی گھی ڈالا ہو۔ پھڑک کے مرجاؤں۔ اگر جھوٹ بولوں۔"

حبیبہ سکون سے سینے پہ ہاتھ باندھ کے اسے تکنے لگی۔

"چلو پھر آج کسی کو پھڑک کے مرتے دیکھ ہی لیں۔ وہ بھی لائیو۔"

"میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ بڑی سے بڑی قسم اٹھوالیں میں نے گھی ڈالا ہی نہیں۔" پھر ٹرے اٹھا کے کچن میں جانے کو پر تولتے ہوئے کہا۔

نواز چکی ہوتی ہیں۔ دراصل انہیں خود بھی یاد نہیں رہتا کہ کچھ دیر پہلے انہوں نے کس بارے میں کیا بیان دیا تھا۔"

"عمر کا تقاضا۔۔۔ اس عمر میں بھول جانے کی بیماری ہو جایا کرتی ہے۔ میرے نانا ابو تو ناشتہ دو دو بار کر لیا کرتے تھے۔"

"میری خالہ تو بھول کے بھی ایسی فضول خرچی نہ کریں اور کچھ یاد رہے نہ رہے انہیں مگر ڈانٹنا کرنا یاد رہتا ہے۔" وہ سخت نالاں نظر آ رہی تھی۔

"دیکھو اب پندرہ دنوں تک کیا حال بنتا ہے ہمارا۔"

"کچھ نہیں ہوتا یار!" خولہ اس کی تشویش کو ذرا خاطر میں نہ لائی۔

"بزرگوں کی سختی میں بھی پیار چھپا ہوتا ہے۔ انہیں ذرا محبت سے ہینڈل کرنا ہوتا ہے اور بس۔"

"بزرگ۔۔۔ مگر۔۔۔" سدرہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ "چلو ٹھیک ہے' تم ہینڈل کرنا بزرگوار خالہ کو اور بدلے میں دعائیں سمیٹنا۔"

تمسخر اڑاتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سدرہ نے چیلنج دیتے لہجے میں کہا۔

☼ ☼ ☼

"واؤ۔۔۔ کس قدر خوبصورت گھر ہے۔"

خولہ نے ٹیکسی سے اترتے ہی گردن اٹھا کے جائزہ لیتے ہوئے توصیفی جملہ کہا۔

رات بھر کی بارش کے بعد سب کچھ دھلا دھلا نکھرا نکھرا لگ رہا تھا۔ سرخ اینٹوں سے بنا یہ اسٹائلش ولا بھی بوگن ویلیا کی گھنی جھالروں سے ڈھکا بے حد شاندار دکھ رہا تھا۔ سرخی مائل آبنوسی گیٹ بھی رات بھر کی "دھلائی" کے بعد خاصا نکھرا نکھرا تھا' ورنہ عموماً دھول سے اٹا عجیب ہیبت ناک منظر پیش کر رہا ہوتا۔ کھڑکیوں اور دروازوں پہ جھکے سلور پالش والے شیڈ بھی الگ شان دکھا رہے تھے۔

"تمہاری خالہ اتنے بڑے گھر میں اکیلی رہتی ہیں؟"

"نہیں' دو چار بھٹکی ہوئی روحوں نے بھی ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔" ٹیکسی ڈرائیور کے دو نہ تین اکٹھے چار سو روپے مانگ لینے سے وہ چڑی ہوئی لگ رہی تھی۔

"واؤ۔۔۔ بائیفل ہاؤس۔۔۔ کتنا رومینٹک لگتا ہے نا۔"

"اب یہ شاہ رخ کہاں رہ گیا؟"

سدرہ بھاری بیگز ٹیکسی سے اتار کے نیچے رکھتے ہوئے بے زاری سے کہہ رہی تھی۔

"شاہ رخ۔۔۔؟ کون شاہ رخ؟" خولہ کے کان کھڑے ہوئے۔

"وہی جو فی الحال کہیں نظر نہیں آ رہا۔ کھسک گیا ہو گا حسب عادت اور حسب معمول۔ اب تم منہ اٹھا اٹھا کے دیکھنا بند کرو۔ کہیں بھاگا نہیں جا رہا یہ گھر۔ پندرہ دن تک اسی میں قید رہنا ہے۔ یہ اپنے بیگ اٹھاؤ تم۔"

"کس قدر بے مروت ہو تم۔ دیکھا جائے تو مہمان ہوں تمہاری۔ تمہیں میزبانی کے تقاضے پورے کرنے بھی نہیں آتے۔" خولہ نے اپنے دونوں بیگز اٹھائے اور یوں اندر کی جانب بڑھی جیسے پتہ نہیں کب سے ترسی بیٹھی ہو۔

"خولہ۔۔۔" سدرہ نے گھبرا کے پکارا۔ حالانکہ جانتی تھی' یہ تکلف بے کار جائے گا۔ خولہ مزے سے دونوں بیگز کاندھوں پہ لٹکائے اندر داخل ہو رہی تھی۔ سدرہ نے ایک گہری سانس لی اور پورچ میں پڑے ایک بھاری بھرکم بیگ کے ساتھ بکھرے مختلف شاپنگ بیگز اور کھلے کارٹن کے لنچ باکس' میگزین اور کیمرہ وغیرہ کو دیکھنے لگی۔

"جہیز تو ایسے اکٹھا کر رہی تھی جیسے ان کے بغیر خالہ کے اندر نہیں گھسنے دیں گی اور اب میرے سر پہ چھوڑ کے خود مزے سے دندناتی ہوئی اندر چلی گئی ہے۔

مصیبت۔۔۔ کیا پہلے اٹھاؤں۔"

☼ ☼ ☼

"تم۔۔۔" حبیبہ نے ایک دراز قد گندمی رنگ اور کھڑے ناک نقشہ والی بیس بائیس سالہ لڑکی کو بیگ اٹھائے بے تکلفی سے اندر آتے دیکھا تو ہاتھ سے ریموٹ رکھ کے اچنبھے سے کھڑی ہو گئی۔

"خولہ۔۔۔" اسی وقت باہر سے سدرہ کی آواز پہ اس کی حیرت ذرا کم ہوئی۔

"اوہ۔۔۔ تم سدرہ کی دوست خولہ ہو؟"

حبیبہ کے چہرے پہ ایک دوستانہ سی مسکراہٹ آئی۔

"جی۔۔۔ اور آپ۔۔۔؟"

خولہ نے بھی بے حد دلچسپی سے اس بے حد گوری چٹی اور نازک سی لڑکی کو دیکھا جو ستائیس اٹھائیس سال کی عمر کے باوجود ایک عجیب سے ٹھہراؤ اور متانت اپنی شخصیت میں سمیٹے ہوئے تھی۔ لائٹ پنک باف سلیوز کی ڈھیلی سی شرٹ اور ٹخنوں سے ذرا اونچا وائٹ ٹراؤزر۔ اسٹریکنگ فارورڈ کٹ والی زلفیں شانوں پہ بکھرائے' سدا کی حسن پرست خولہ کے دل میں اتر رہی تھی۔

"کس قدر ڈھیٹ لڑکی ہو تم۔" سدرہ بھی جیسے تیسے سارا سامان لادے آ ہی گئی۔

"یہ جو الم غلم اٹھا لائی تھیں راستے میں' اسے لانا کیا میری سزا تھی؟"

"کمال ہے سدرہ! کتنی جھوٹی ہو تم۔ اب مجھے شک نہیں بلکہ یقین ہو رہا ہے کہ تم مجھے اپنے ساتھ لانا ہی نہیں چاہتی تھیں' اسی لیے اپنی چڑچڑی' موڈی اور خوف ناک سی خالہ کے ڈراوے دیتی جا رہی تھیں۔ یہ تو بتایا بھی نہیں کہ وہاں ان عمر رسیدہ' بھٹکی' خبطی اور فضیلی خاتون کے ساتھ شاہ رخ اور پریتی زنٹا بھی رہتے ہیں۔"

حبیبہ جو اپنے بارے میں ایسے کلمات سن کر نتھنے پھلائے ہوئے سدرہ کے رنگ اڑے چہرے کی جانب دیکھ رہی تھی۔ آخری فقرے پہ چونکی۔ ذرا بے یقینی سے خولہ کی جانب دیکھا جو "پریتی زنٹا" کا خطاب دیتے ہوئے بلاشبہ اسے ہی توصیفی انداز میں تک رہی تھی۔

نتھنے جو پھولنے پچکنے کے عمل سے گزر رہے تھے' واپس اپنی اصل حالت میں آئے۔ آنکھیں جو سدرہ پہ شعلے برسا رہی تھیں' نشانہ بدل کے اب خولہ پہ شبنم برسا رہی تھیں۔

"السلام علیکم خالہ!"

سدرہ کے مرے مرے لہجے پہ خولہ نے اپنی تازہ ترین تخلیق کردہ پریتی زنٹا سے نظریں ہٹا کے خالہ جان کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑائیں اور کسی سفید دوپٹے میں لپٹی بھاری بھرکم' کخ نقوش والی خالہ جان کو نہ پا کے دوبارہ نظریں سدرہ پہ آ ٹھہریں۔ پھر اس کی نظروں کا تعاقب کر کے دوبارہ پریتی زنٹا پہ آ جمیں۔ اس بار نظروں میں تعریف و توصیف کے بجائے حیرت اور بے یقینی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" حبیبہ کے رکھائی سے دیے جواب نے بھی اس حیرت کو کم نہیں کیا۔

"خالہ۔۔۔ یہ خولہ۔۔۔ اور خولہ۔۔۔ یہ خالہ۔۔۔" اس نے تعارف کروایا۔

"کتنی بری بات ہے سدرہ باجی! آپ اپنی خالہ کا نام بگاڑ رہی ہیں۔ اگر کوئی آپ کو سدرہ شدرہ کہہ کر بلائے تو آپ کو اچھا لگے گا؟ نہیں نا تو پھر آپ بھی خالہ شالہ یا خالہ خولہ کہنے کی بجائے خالی خولی خالہ کہیں۔"

"اور یہ۔۔۔؟" سدرہ نے دانت کچکچا کے نووارد کو گھورا۔

"یہ شاہ رخ ہے۔"

"شا۔۔۔ شاہ رخ۔۔۔" خولہ صدمے کے مارے فوت ہونے والی ہو گئی۔ اس نے تصور میں سدرہ کے کسی اسمارٹ سے کزن کا خاکہ کھینچ رکھا تھا جبکہ سامنے کھڑا سولہ سترہ سال کا منحنی سا' چنی منی آنکھوں والا' سیاہی مائل رنگت پہ دودھ جیسے دانت موٹے سرخی ہونٹوں پہ رکھے اس تصوراتی خاکے پہ کوئلے سے

کھیر پکی کھنچ رہا تھا۔

"کس کا ہے یہ تم کو معلوم ہے میں بولی۔"

سائیں سائیں کرتے کانوں میں کہیں دور اس کی سرگوشی ابھر رہی تھی۔

○ ○ ○

"جیب چڑھے ہے بہاں۔ خالہ پر جی نہ ٹھکل آتی ہے اور شادی اندھی مرتی کا بچپن۔"

"کہیں کہنے کو تو بغیر سوچے سمجھے بک بک کرنے کو۔ اب کیا خالہ کیا مشرکی ہیں میرا۔"

کمرے میں تو کے بولوں ایک دوسرے پہ اپنی بھڑاس نکال رہی تھیں۔

"بس کرو اب تو بھگا بند کرو۔ اتنی سوت سی خالہ ہے تمہاری جبھی میرا تو دل کانپ جاتا ہے انہیں خالہ کہتے ہوئے۔ تم سے نواسہ سے نواسہ باقی چھ سال بڑی ہوں گی۔"

"تنی تھیں نا باقی چھ تھیں ہمارے پندرہ سال بڑی ہیں۔ سدرہ کے انتقال پہ نانی کی آنکھیں کھل جاتیں۔"

"ہاں۔ اپنی ہی ہمارے پینتیس سال کی ہیں۔ تو کی ذرا بھی تھیں کتنیں۔"

"یہی تو مصیبت ہے۔ وہ بھی نکر تی ہیں فوکی بالکل بھی نہیں ہیں۔ تم نے ان کے بارے میں جو جو اندازے لگائے ہیں ان کے برعکس نتیجہ دیکھنے کے لیے خود کو ذہنی طور پہ تیار کر لو۔ اب تمہیں قدم قدم پہ دھکے ملیں گے۔"

اس وقت تو ان یہ وار تک کسی خاطر میں نہ لائی مگر تب وہ ایک ایک منظر اسے اس یہ ایمان لانے پہ مجبور کر رہا تھا۔

○ ○ ○

اور یہ بات سو فیصد درست تھی کہ حبیبہ انور میں ہر وہ بات موجود تھی جس کی بھنک اس کی خاموش فطرت میں کہیں تھی یا یوں کہہ لیجیے کہ حبیبہ انور میں وہ تمام اچھائیاں موجود تھیں جن کا انکار اس کی خاموش فطرت سے ہوتا تھا۔

اب عمر کو ہی لیجیے۔ پینتیس چھتیس سال کی عمر تک وہ تمہیں سے کم کی نکر تی تھی۔

نام کی مثال کچھ حبیبہ انور سے ملنے میں ہی زندہ یا مرحوم اور عمر رسیدہ سا نام۔ کسی بوڑھی خاتون کا تصور ذہن میں آتا تھا اور خود اس کی تک سکے سے درست ہو سکتی تھی۔ مختلف طرز زندگی کو کچھ کر کے کوئی روزی تیسری اہم تھی۔ یا پھر یہی کہ حبیبہ جیسی مالک ہوں گی۔

بے حد نرمی کا تاثر لیے نسوانی بیوی کی حالت اور حبیبہ کی ظاہر کرتا چہرہ بیوی بیٹی کی نسوانی ہی تو اور حالت اور وقار عمر کے پینتیس سال کو لوٹ لینے کے بعد بھی چھو کر نہ گزرا تھا۔

انور بلکہ اس طل سوا لینے والی مسکراہٹ پہ نہ جائیے گا۔ یہ سراسر اسی میں مدد تھی اور بھی بہت کچھ جتنا بتا تھی۔ یہی بھولی صورت انور بدل مدد لیتی والی مسکراہٹ سے کسی زمانے میں انور شفق نے جو کھایا تھا اور پھر بے چارے کو بھری جوانی میں موت کر گئی۔

کی بات حبیبہ کی انور سے شادی کو فقط تین سال گزرے تھے جب وہ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں گزر گئے۔ تو تو یہ ایک حادثہ عمر حبیبہ کی زندگی پہ اس آخری اثر ہوا اس نے کہیں کہ اس حادثے کے نتیجے میں وہ زندگی کے ہم سفر سے محروم ہو گئی کیونکہ انور سے اس کی منگنی کو دیسے بھی اضافی سال ہو رہے تھے۔ شادی کے چھ مہینوں میں کچھ پیش منزہ ہوتے ہوئے جھگڑوں کے بعد اختلافوں جھگڑوں ہوتے میں آخری کیل ثابت ہوا اور وہ بیٹے کے بیٹھ گئی۔ اضافی سال تک انور نے اسے اٹھائے رکھا۔ نہ مصالحت پہ تیار ہوتا تھا نہ طلاق دے کر بے چاری کی گلو خلاصی کرتا تھا۔ آخر تنگ کر رحم کھا کر اس نے حبیبہ کو چھٹکارا دلا دیا۔ ایک بہانہ ترک کر لیا تو اس نیک کام کا وسیلہ بنا۔ یہ کہ حبیبہ کسی کی ترک کر کے مطلقہ ہے اور انور میں تھکنے نے تھی ہے۔

کسی مہربان نے آکے میری زندگی بنادی

چنانچہ انور کی موت کو بھی حبیبہ کی زندگی پہ خاص اثر انداز ہوتے ہوئے نہیں دیکھا جاسکتا۔ وہ جیتا مرتا ایک برابر ہی تھا۔

اگر حبیبہ طلاق حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتی تو زیادہ سے زیادہ بیس روپے حق مہر کے ہی وصول کرپاتی اور فی زمانہ بیس روپے کا آتا کیا ہے۔ ایک برگر خریدو تو ساتھ میں چپس اور بوتل تک نہیں لے سکتے مگر بیوہ ہونے کے جہاں اس نے بہت سے فائدے حاصل کیے' وہیں انور کی تمام جائیداد کی اکلوتی وارث بننے کا مزا بھی اوٹا۔

اور یہی وہ گہرا اور واضح اثر تھا جو شوہر کی موت سے اس کی زندگی پہ پڑا۔

اب وہ صاحب جائیداد تھی' شوہر اور اولاد نہ ہونے سے ہر قسم کی ذمہ داری سے آزاد۔

ماں باپ جب تک زندہ تھے' اس پہ دوسری شادی کے لیے زور ڈالتے رہے مگر وہ ان کے قابو نہ آئی تو اپنی اپنی زندگی میں سیٹ بہن بھائیوں کے واجبی سے اصرار کو کیا خاطر میں لاتی جو بھی کبھار ملنے پہ بس سرسری سا۔ یونہی تکلفاً" اسے گھر بسانے کا کہہ دیا کرتے۔ اس نے تو اب اس اصرار کا تکلفاً" بھی جواب دینا ترک کر رکھا تھا۔ اب تو ساری فیملی نے اس کی خودسری کے آگے جیسے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ زیادہ زور دینے یا دباؤ ڈالنے کی وہ پوزیشن میں اس لیے نہیں تھے کہ حبیبہ کون سے ان کے آسرے پہ پڑی تھی۔ ڈیڑھ کنال کے رقبے پہ پھیلا یہ بنگلا اس کے نام تھا جس میں وہ تن تنہا رہتی تھی۔ آج ایک حصہ کرائے پہ اٹھا دے تو بیس پچیس ہزار گھر بیٹھے مل جائیں لیکن ایک تو وہ تنہائی پسند تھی یا پھر اتنے سال تنہا رہنے کی وجہ سے تنہائی کو وہ پسند آگئی تھی۔ دوسرا گھر بیٹھے آتے ویسے بھی تیس سے چالیس ہزار ماہانہ مل جایا کرتے تھے۔

راجہ بازار میں انور شفیق کی دو دکانیں کرائے پہ چڑھی تھیں۔ معقول بینک بیلنس تھا جو اسے آنے والے وقت سے بے نیاز کیے ہوئے تھا۔ نہ وہ کسی کے آگے جواب دہ تھی' نہ اس کے سر پہ کوئی ذمہ داری تھی۔ کھلا خرچ' نہ کوئی پوچھنے والا۔۔۔ نہ حساب لینے والا۔۔۔ خرچ کرنے والی وہ اکیلی ذات۔

سوچ سمجھ کے اپنی ذات کو فائدہ پہنچایا۔ یہی وجہ تھی عمر کے یہ گزرے سال اسے چھوئے بغیر کلن لپیٹ کر پاس سے گزر گئے تھے۔ چمکتی ہوئی بے شکن دودھیا جلد' ریشمی بال' نازک سراپا۔۔۔ اس پہ پہننے اوڑھنے کا سلیقہ۔۔۔ ہر ہفتے منگے بیوٹی پارلرز کا چکر۔۔۔ وہ تو تیس کی کیا اٹھارہ سال کی بھی نظر آتی تو کم تھا۔ اس پہ سارا خاندان' بہن بھائی' ان کے بچے' جی حضوری اور خوشامدیں کرنے کو تیار۔ پتہ جو تھا کہ خالہ جانی اور پھوپھو جانی کتنی کمین پسند ہیں۔ ذرا چڑھایا اور پالیے مطلوبہ نتائج۔ بھابیوں کو بھی اس تگڑی نند سے کوئی خطرہ نہ تھا کہ آئے دن کے تحائف انہیں مسرور کیے رکھتے۔ بھائیوں نے بھی اس کے اکیلے رہنے اور شادی نہ کرنے کے مسئلے کو سر پہ سوار نہ کیا کہ اکثر کاروبار میں گھاٹا ہونے پر بہن سے بروقت مالی امداد مل جایا کرتی تھی۔ بہنوئی بھی راضی۔۔۔ رشتے میں چھوٹی ہونے کے باوجود سالی' ساس اور سسر کی کمی پوری کردیتی تھی۔ بہنیں بچوں سمیت چھٹیاں گزارنے بھائیوں کے ہاں جانے کی بجائے یہاں آکر جو میکہ آباد کرلیتی تھیں اور واپسی پہ لدی پھندی بھی ہوتیں۔

بھانجا پاس ہوا ہے تو موٹر سائیکل تحفے میں لے دی۔ بھتیجی کی شادی ہوئی تو آدھا خرچا پھوپھی نے سر لے لیا۔

چھوٹی بہن کے دن قریب آئے تو حبیبہ نے ڈلیوری سے لے کر چلے تک لے اپنے ہاں ٹھہرالیا۔

بھائی نے نیا گھر بینک سے قرضہ لے کر بنایا تو سارے گھر کا پینٹ اور کارپٹ' پردے حبیبہ نے تحفتاً" اپنے ذمے لے لیے۔

کیسے میں کون تھا جسے اس کی خودسری۔۔۔ من مانی' اور پل پل رنگ بدلتی عادتوں اور مزاج کی شکایت کرنے کا حوصلہ ہوتا۔

دودھ دینے والی گائے کی لاتیں بھی بنی خوشی کھالی جاتی ہیں۔

یہی حال سدرہ کے ماما پاپا کا بھی تھا جو کئی سالوں سے بحرین میں مقیم تھے۔ سدرہ تین سال پہلے پاکستان آئی تھی۔۔۔ کیونکہ اس کا ایڈمیشن فاطمہ جناح میڈیکل کالج میں ہوگیا تھا۔ اور بعد میں سدرہ نے شکرانے کے نوافل ادا کیے کہ یہ کالج لاہور میں تھا۔ اسلام آباد میں نہیں ورنہ اسے ہاسٹل کے بجائے خالہ کے ہاں رہنا پڑتا۔

امتحانوں کے بعد کی تعطیلات اور گرمیوں کی چھٹیوں میں وہ بحرین چلی جایا کرتی تھی مگر درمیان میں بلائے ناگہانی کی طرح اچانک آجانے والی تین چار چھٹیاں مجبوراً" اسے اسلام آباد آکے گزارنا پڑتیں۔

خوشامد اور چاپلوسی وہ واحد فن تھے جن سے سدرہ نابلد تھی۔ اس لیے اس کے خیال میں یہی وجہ تھی کہ وہ خالہ کی فیورٹ بھانجی نہیں تھی۔

البتہ مروت اور برداشت اس کے وہ اوصاف تھے جن کی وجہ سے وہ چپ چاپ یہ چند دن ان کے پاس کسی نہ کسی طرح گزار ہی لیا کرتی تھی۔ کسی بہت بڑی تلخی اور ناچاقی کے بغیر۔

کہ بہرحال سدرہ' خالہ کو ناراض کرکے ماما پاپا کی ڈانٹ نہیں کھانا چاہتی تھی۔ یہ الگ بات کہ ان تین سالوں میں اس نے خالہ کو ناراض نہیں کیا تھا تو راضی بھی نہیں رکھ پائی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میری طرف سے صاف جواب ہے۔"

کھانے کی ٹیبل پہ خولہ نے ببانگ دہل اعلان کردیا۔

حبیبہ کے ماتھے پہ ناگوار شکن آتے دیکھ کے سدرہ نے سرزنش کرتی نظروں سے اسے گھورا۔ اندر ہی اندر وہ سخت خائف بھی ہورہی تھی کہ پتا نہیں منہ پھٹ خولہ نجانے کون سا صاف جواب دینے والی ہے۔

"میں کوئی نہیں آپ کو خالہ والہ کہنے والی۔ ویسے کہنا تو سدرہ کو بھی نہیں چاہیے۔ ایمان سے آپ کے برابر ہی لگتی ہے۔ شرم تنی چاہیے اسے آپ کو خالہ کہتے ہوئے۔ خیر اس کا تو رشتہ ایسا ہے مگر مجھے ایسی کوئی مجبوری نہیں۔ پلیز مائنڈ مت کیجیے گا۔ میں آپ کو حبیبہ جی کہہ کر پکاروں گی۔"

"اس میں مائنڈ کرنے والی کیا بات ہے۔"

حبیبہ تو جیسے کھل اٹھی۔ اس کے اپنے کان پک چکے تھے خالہ اور پھوپھو کی تکرار سن سن کر۔

تمہارا جو دل چاہے کہو۔"

"تو حبیبہ جی' یہ بتائیے یہ شاہ رخ سے آپ کی کیا دشمنی تھی؟"

"اس کے ہاتھ کا بنا کھانا کھانے کے بعد بھی تم یہ سوال پوچھ رہی ہو۔" حبیبہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے پلیٹ پرے کی۔

"میں اس شاہ رخ کی نہیں' اصلی والے شاہ رخ کی بات کررہی ہوں۔ اس بے چارے نے آپ کا کیا بگاڑا تھا جو آپ نے اس کے نام کی اتنی مٹی پلید کرڈالی۔"

"مجھ سے پوچھیں۔ شاہ رخ نے ٹرے میں پلیٹیں اکٹھے کرکے رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"تم سے تو خدا پوچھے۔۔۔ اس قدر گھی ڈالا ہے کھانے میں کہ دو چمچے کھانے کے بعد ہی طبیعت بوجھل سی ہورہی ہے۔"

حبیبہ نے اسے بروقت ٹوکا۔ ورنہ سدرہ تو دل پہ ہاتھ رکھتے ہوئے خود کو اس کی طولانی تقریر کے لیے تیار کررہی تھی۔

"قسم لے لیں۔ حبیبہ باجی! جو میں نے ذرا سا بھی گھی ڈالا ہو۔ پھڑک کے مرجاؤں۔ اگر جھوٹ بولوں۔"

حبیبہ سکون سے سینے پہ ہاتھ باندھ کے اسے تکنے لگی۔

"چلو پھر آج کسی کو پھڑک کے مرتے دیکھ ہی لیں۔ وہ بھی لائیو۔"

"میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔ بڑی سے بڑی قسم اٹھوالیں میں نے گھی ڈالا ہی نہیں۔" پھر ٹرے اٹھا کے کچن میں جانے کو پر تولتے ہوئے کہا۔

"میں نے تو آئل ڈالا ہے۔ چل چھیاں چھیاں چھیاں چھیاں۔" وہ سرہلاتے ہوئے کچن میں غائب ہوگیا۔

"خالہ! آپ کیسے برداشت کرتی ہیں اسے۔ ماسی بننے کے قابو میں رہتا تھا۔ اب۔ نہیں آتیں؟"

"نہیں بھئی۔ ان سے کہاں نباہا جاتا ہے۔"

"یہ کون دوشیزہ ہیں؟" خولہ نے اس پاہ معلوم لن دیکھی ہستی کے ناہنجا ذکر میں دلچسپی لی۔

"دوشیزہ؟ ماسی بننے کی بات کررہے ہیں ہم۔" سدرہ نے لفظ "ماسی" پہ خاصا زور دیتے ہوئے کہا۔

"یار! جب خالہ ایسی اور شاہد سے ہیں ماسی سکتا ہے تو کیا پتہ ماسی بننے کے روپ میں بھی کوئی کرنہ کپور چھپی ہو۔"

اس کے قیاس کی دلو جیبہ نے ایک تنک شگاف قہقہے کے ساتھ دی۔ خولہ نے اس قہقہے پہ اسے ایک گہری کھوجتی نگاہ سے نوازا۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں ایک دوستانہ مشورہ دے رہی ہوں۔ میری خالہ سے دور رہو۔"

"میں کون سا ان سے چپک کر بیٹھی ہوں۔" خولہ نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"دیکھو، میں نے تمہیں پہلے بھی بتایا تھا وہ بے حد موڈی ہیں۔ آج تمہاری اوٹ پٹانگ باتوں پہ داد دے رہی ہیں کل تمہاری کھنچائی کررہی ہوں گی۔ پھر نہ کہنا مجھ سے کہ تمہاری خالہ نے میری بے عزتی کردی ہے۔"

"نہیں کہتی۔" وہی ڈھٹائی کا ہنوز وہی عالم تھا۔ جس پہ سدرہ جز بز ہو کے رہ گئی۔

"تمہارے کو سمجھ کیوں نہیں رہی۔ ہمیں ابھی چودہ دن اور گزارنے ہیں ان کے ساتھ۔ ایک لن کے قہقہوں پہ مت جاؤ۔"

"میں تو میں کہہ رہی ہوں سدرہ ڈیئر! ان کے قہقہوں پہ مت جاؤ۔" خولہ کے سنجیدگی سے کہنے پہ سدرہ نے کہا۔ اور کنواری لڑکی سے شادی کی

ٹھٹھا کی۔ وہ کبھی سنجیدہ ہوتی تھی مگر جب ہوتی تھی تو۔۔۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ان کے قہقہوں کے پیچھے ایک سناٹا ہوا کرتا ہے ایک لن کہا سا کرب محسوس ہوتا ہے۔"

"بکواس۔" سدرہ نے سر جھٹکا۔

"نہیں کیا دکھ ہو سکتا ہے۔ تم دیکھ تو رہی ہو یہ ٹھاٹ باٹ بال بچوں والی عورت! اکھ خوش دل ہونے کے باوجود عمر کے تیسویں سال کے بعد ڈھلک سی جاتی ہے اگر خود کو مین ٹین رکھتی بھی ہے تو لاکھ جتن کرکے۔ لو ہر یہ حال ہے کہ جو چھ گھنٹے لر میں ہر ٹش اسٹیم ہاتھ لیتے بیٹھی رہتی ہیں کہ کون سا گھر جا کے بچہ سلانا ہے یا شوہر کے نخرے کا انتظام کرنا ہے۔ اپنی نیند سوئے اپنی نیند جاگے کھانا خرچ کیا۔ جو دل چاہا پہنا جو من کیا وہ کر ڈالا۔ کسی نے چوں چرا کرنے کی کوشش کی تو بجائے جھڑکی کے تین چار ہزار کا نقد دے کر منہ بند کر ڈالا۔"

"تم صرف ان سطحی باتوں کی بنیاد پہ اپنی خالہ کی زندگی کو قابل رشک قرار نہیں دے سکتی۔"

"اگر تمہارا اشارہ ان کے اکیلے پن کی طرف ہے تو یہ بھی تمہاری غلط فہمی ہے کہ وہ اس تنہائی کو دل کا روگ بنا کے بیٹھی ہیں در حقیقت یہ تنہائی یا دوسرے لفظوں میں خود مختاری انہیں جان سے زیادہ عزیز ہے۔ انکل کی ڈیتھ کے بعد کتنا سب نے چاہا کہ وہ دوسری شادی کرلیں۔ بن فیکٹ میرے چاچو۔ وہی انگلینڈ والے، پاپا ان سے بھی خالہ کی شادی کرانے پہ راضی تھے خود سوچو ایک عورت چاہے وہ کتنی بھی خوبصورت اور جوان سال ہو مگر بیوہ یا طلاق یافتہ ہو تو اس کے لیے کسی پچیس سالہ ہینڈسم کنوارے کا رشتہ آتا ہے کیا؟ مگر باسیت میرے دادا، دادی بھی دل سے راضی تھے کہ کاش کہ چاچو کو کسی بھی اچھی کم عمر اور کنواری لڑکی کا رشتہ مل سکتا تھا۔"

"کتنی حیرت کی بات ہے کہ پھر بھی تمہارے چاچو نے کبھی کم عمر اور کنواری لڑکی سے شادی کی

نہیں۔"

"ذرا نے بتانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور سدرہ حسب توقع تپ بھی گئی۔

"بس تو وہ تو محبت ہو گئی تھی انہیں آنٹی سے۔" اس نے کڑیا کے وضاحت پیش کی۔

"مکمل ہے ان کے گھر والوں کو بھی ان کے لیے پسند تھی تو ایک سلیم دار بیوہ۔ خود ان کی نظروں میں بھی سمائی۔ تو ایک سادہ بیوہ۔ بعد انگلینڈ کی ڈھٹائی کے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ پاپا خالہ کی پراپرٹی کی وجہ سے اپنے بھائی سے ان کی شادی کرانا چاہ رہے تھے؟"

ظاہر ہے کہ خولہ کا مطلب یہی تھا اور وہ اسے خاصی حد تک واضح بھی کرچکی تھی۔ مگر اس سے زیادہ کھل کر کہنے سے دوست کی ناراضی کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی اس لیے فقط کاندھے اچکا کے رہ گئی۔

"میں صرف یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ ہو سکتا ہے تمہاری خالہ کو وہ رشتے پسند نہ آئے ہوں سیانی اکیلی وہ اس صدمے سے باہر نہ نکل۔"

"کیسا صدمہ؟" سدرہ نے تیزی سے بات کاٹی۔ "انکل کے گزرنے کا صدمہ؟ ایسا کچھ نہیں تھا۔ ان پہ تو کوئی اثر ہی نہیں لگ رہا تھا شوہر کے گزرنے کا۔ بس یوں سمجھو مٹھائی بانٹنے کی کسر رہ گئی تھی۔ شاید دنیا کی باتیں سننے کا حوصلہ نہ تھا ورنہ یہ کہہ کر گزرتیں۔ ماما بتاتی ہیں کہ لوگوں کی شرا شری انہوں نے ضرور بنوئی کہ موت پہ چار آنسو بہا لیے مگر خالہ نے اس تکلف کی قطعاً ضرورت نہ سمجھی۔ ٹھیک ہے علیحدگی ہو چکی تھی۔ مگر طلاق تو نہیں ہوئی تھی۔"

"کیا پتہ تمہارے مرحوم انکل کا رویہ ان کے ساتھ کیسا رہا ہو؟" خولہ نے قیاس کیا۔

"جیسا بھی رہا ہو چار چھ مہینوں میں کون سے قلم کے پہاڑ توڑ ڈالے ہوں گے انہوں نے۔ اور اتنی ہی نفرت اور بے زاری تھی تو نہ قبول کرتیں ان کی جائیداد اور روپیہ پیسہ تو بڑا عزیز ہے۔"

سدرہ ٹھیک ٹھاک جلی اور بے زار نظر آرہی تھی اپنی خالہ سے۔ خولہ نے سوچتے ہوئے یہ کہہ کر بحث سمیٹی۔

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو۔ مگر ان کی فرسٹریشن اپنے شوہر کے بارے میں کیسی بھی رہی ہو۔ یا انہوں نے کسی وجہ سے تمہارے چاچو کا رشتہ قبول نہ کیا ہو۔ ان باتوں سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ وہ خالہ بھی اچھی نہیں ہیں۔ ٹھیک ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک اچھی بیوی ثابت نہ ہو سکی ہوں۔ مگر تمہارے ساتھ تو کچھ برا نہیں کیا۔ پھر تم اپنے دل میں وسعت اور رویے میں لچک کیوں نہیں پیدا کرتی۔"

سدرہ چپ ہو گئی۔ البتہ ماتھے کی شکن بتا رہی تھی کہ اس کے اندر اب بھی بہت کچھ کلبلا رہا ہے۔

☼ ☼ ☼

اگلے ہی دن سدرہ کی ماما کے فون نے ہلچل مچا دی۔ ان کی ایک جاننے والی خاتون۔ جو دبئی۔ بحرین میں رہتی تھیں۔ انہوں نے اپنے بھائی کے لیے سدرہ کا رشتہ طلب کیا تھا۔ بھائی ان کا اسلام آباد میں رہتا تھا۔ سدرہ کی ماما نے حبیبہ کے گھر اسے مدعو کرلیا تھا۔

"مکمل ہے، میں یہاں سکون سے چند دن گزارنے آئی تھی یہاں سازشوں کا شکار ہونے۔"

اس کی جھنجلاہٹ عروج پہ تھی۔

"ٹانشیات۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں تمہارے خلاف سازشیں کرنے کی۔" حبیبہ کو واقعی برا لگا۔ "میں نے تو باجی سے کہا بھی تھا کہ مجھے پلیز ان سب باتوں سے دور رکھیں۔ نہ تو مجھے ان معاملات کا تجربہ ہے نہ ان سے کوئی دلچسپی کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو ہم میرا ہی خراب ہوگا کہ آپ گھر بسائیں بھانجیوں کا بھی دماغ خراب کررہی ہے۔"

"آپ کہہ دیں ماما سے۔ یہاں کوئی آنے کی تکلیف نہ کرے۔"

"میں کیوں کہوں؟ تم کیوں نہیں کہتی؟ میں نے کہا تو یہی جواب سننے کو ملے گا کہ وہ تمہارے گھر سے کہہ اکھاڑ کے تو نہیں لے جائیں گے۔ بھئی میں تو آنے

سے منع نہیں کروں گی۔ نہ تمہیں کسی قسم کی بدمزگی پھیلانے دوں گی۔ تمہیں انکار کرنا ہے' اعتراض کرنا ہے سو بار کرو مگر اپنے ماما پاپا کے سامنے میرے گھر میں بیٹھے مہمانوں کے سامنے بدتمیزی کرنے کی ضرورت نہیں انڈر اسٹینڈ۔"

اس وقت ڈانٹ ڈپٹ کرتی ہوئی وہ خولہ کو سچ مچ کی خالہ جان ہی نظر آ رہی تھی۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے زیر لب مسکرائی تھی۔

☆ ☆ ☆

"ہیلو!" حبیبہ نے جمائی روکتے ہوئے نیند سے بوجھل آواز میں کہا۔ دوسری جانب نفیسہ تھیں۔ سدرہ کی ماما۔

"خیریت باجی؟ آج صبح منہ ہی فون کر لیا؟" اس نے گھڑی میں وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

"خیریت ہی ہے اور تمہیں بھی بار بار اسی لیے فون کر رہی ہوں کہ خدا کے لیے خیریت رہنے دو۔ میں اس وقت اتنی دور بیٹھی ہوں اور وہ بھی اتنے اہم فرض کی ادائیگی کے لیے۔ اور دھیان ہے کہ بار بار بھٹک کے اس طرف آ جاتا ہے۔"

"آپ کی وہ دوست بھی تو کمال ہیں۔ بھلا کچھ دن صبر کر لیتیں۔ آپ واپس آتیں پھر بھیج دیتیں اپنے بھائی کو۔ خوامخواہ آپ کا عمرہ خراب کر رہی ہیں۔"

"توبہ۔ لاحول ولا۔ میرا عمرہ کیوں خراب ہونے لگا خدانخواستہ' تم بھی تو سوچ سمجھ کے بات منہ سے نکالا کرو حبیبہ! اتنی عمر ہو گئی مگر عقل نہیں آئی۔"

"کتنی عمر ہو گئی؟" عمر کے مسئلے پہ وہ بھڑک اٹھی۔

"خیر چھوڑو اس بات کو۔" نفیسہ کو فی الحال اس کا بھڑکنا بھاری پڑ سکتا تھا اس لیے کہا۔ "پھر بھی کھولنے کا سوچتے ہو تو اصل بات کہو تو تسلی ہو۔"

"دراصل سدرہ بھابھی کو کسی ٹریننگ کے سلسلے میں چھ مہینے کے لیے جاپان جانا ہے۔ مہر سوچ رہی تھی کہ جانے سے پہلے سدرہ کو اور سدرہ اسے دیکھ لیں پسند کر لیں تو ہم لوگ بھی بیٹھے بیٹھے فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔ حالانکہ سیٹ کر لیں۔ وہ آج رات کے کھانے پہ آ رہا ہے۔"

"کھانے پہ آ رہا ہے۔ گاڑی پہ کیوں نہیں آ رہا؟"

"یہ وقت مذاق کا نہیں ہے حبیبہ! بابی سرپلس تم پہ ایک بھاری ذمہ داری ڈال رہی ہوں میں۔ تمہیں خلا کا نہیں ماں کا فرض سمجھنا ہے کہ میری غیر موجودگی میں سدرہ کو ماں کی کمی محسوس نہ ہو۔"

"پہلے آپ اپنی لاڈلی بہو سے کنفرم تو کر لیں کہ اسے کمی محسوس ہو بھی رہی ہے یا نہیں۔ میرا مطلب ہے اسے میں بطور خالہ مشکل سے ہضم ہوتی ہوں۔ ماں خاک سمجھے گی وہ۔"

بڑبڑاتے ہوئے حبیبہ نے فون رکھا اور چاچا کے شاوخ کو پکارا۔

"شاوخ کہاں ہو؟"

"مجھ کو پہچان او۔ میں ہوں ڈرائیور۔"

ایک صوفے کے پیچھے سے کشتاخ ہمہ اور آمادہ۔

"یہاں دبکے بیٹھے کیا کر رہے تھے؟" حبیبہ نے مشکوک نظروں سے اسے گھورا۔ "باتیں سن رہے تھے ناری؟"

"توبہ کریں باجی! بھی کوئی سننے والی باتیں ہیں۔ میں تو صوفے کے پیچھے پالش کر رہا تھا۔"

"ہائی گاڈ۔ اس بیٹھے تو میں نے بیڈ کی کیور کروا دی نہیں۔" حبیبہ کو اپنے بیڈ کی پالش کی فکر ستانے لگی۔

"جی وہ تو مجھے پتا نہیں آتا۔" شاوخ نے تشویش بھرے انداز میں سر ہلایا۔ "دانی نے سکھایا ہی نہیں یہ ذمہ۔"

"اف! ہمیں جتنے بس بلا کو میرے پیچھے لگا کے خود مزے سے بنڈ میں بیٹھ گئی۔ جاؤ کچن میں جاؤ اور فرنا کا جائزہ لے کر بتاؤ کہ اگر رات کے کھانے میں وہ کچھ اچھی سی کھلیز پکنا ہوں تو کس کس چیز کی ضرورت ہے۔ میں ابھی مارکیٹ جا کے لے آتی ہوں۔"

"جی میں ابھی لسٹ بنا کے لاتا ہوں۔" وہ اچھل کے اٹھا اور تھوڑی دیر بعد تیار ہاتھ میں ایک پرچہ

"یہ چیزیں لا دیں جی۔ بڑا زبردست ڈنر تیار ہو جائے گا۔ یوں سمجھ لیں چلا چل رہی ہے۔ یونہی چلا چل۔ کتنی حسین ہے یہ دنیا۔"

"لاؤ دیکھو تو کیا کیا منگوایا ہے۔" حبیبہ نے ایک نظر چٹ پہ ڈالی اور آنکھیں پڑھنے کے ساتھ ساتھ پھیلتی چلی گئیں۔

"گوانا یہ ہے ایک انسیم روسٹ چکن فل' چناب سے برانی' بارہ کیو نوٹ سے بارہ سیخ کباب' گوانا سے گلوٹی بان بچھن سے پستہ آئس کریم۔ یہ کیا ہے شاوخ؟"

"آپ نے ہی تو کہا تھا کہ رات کے کھانے میں دو تین اچھی سی ڈشز پیش کرنا ہوں تو کس کس چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ میں نے وہ ساری چیزیں لکھ دی ہیں۔"

"اگر سب کچھ بازار سے آنا ہے تو تم کس مرض کی دوا ہو؟"

"میں ڈپریشن کی۔ میں آپ کے مہمان کا دل بہلاؤں گی۔"

"تم صرف دل دہلا سکتے ہو' اپنے بے سرے گانوں اور بدمزہ کھانوں سے۔ ویسے آئیڈیا اچھا ہے' اگر اس مہمان کی خیریت مطلوب ہے تو کھانا باہر سے ہی لے آتی ہوں' ورنہ یہ الزام بھی مجھ پہ آئے گا کہ پتہ نہیں بے چارے لڑکے کے ساتھ ایسا کیا کیا کہ وہ پلٹ کے دیکھے بغیر بھاگ گیا۔"

اس نے شاوخ کی بنائی چٹ پرس میں رکھی اور لڑکیوں کے کمرے کی جانب بڑھی۔

"نخو لڑکیو۔ ہری اپ۔ کام زیادہ ہے' وقت کم ہے۔ کم آن۔ گیٹ اپ۔"

لائٹس آن کرتے ہوئے اور ان کے اوپر سے چادریں کھینچتے ہوئے وہ مسلسل چنگھاڑ رہی تھی۔

"اوہ۔ کیا ہے خالہ! کیا شور مچا رکھا ہے آپ نے صبح صبح۔" سدرہ نے بال سمیٹتے ہوئے بالکل اری سے کہا۔ ایک تو رات کو فون پہ نفیسہ سے سننے والے طویل لیکچر کے اثرات کی وجہ سے آنکھ بھی دیر سے لگی تھی۔

"شور تو صبر کا بھائی بجاوے گا جو اس نے یہ ہستی صورت دیکھ لی تو۔ حشر کر کے رکھ دیا ہے تم نے اپنا۔ جلدی سے جا کے کسی پارلر سے اپنی ریپیئرنگ کرواؤ۔ رات کے کھانے پہ آ رہا ہے وہ تمہیں دیکھنے۔"

"کھانے پہ آ رہا ہے تو کھا کے دیکھے۔" وہ بڑبڑائی۔

"کھانا تو کھائے گا یار! دیکھنے کا فرض تم ہی ادا کرے گا۔ حبیبہ جی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ناشتے کے بعد ہم کسی پارلر چلتے ہیں۔" خولہ کی شامت آئی تھی جو بول پڑی۔

"تم کہاں جا رہی ہو' وہ لوگ سدرہ کو دیکھنے آ رہے ہیں' تمہیں نہیں۔ یہ ہتھکنڈے اب خاصے پرانے ہو گئے ہیں کہ لشک پشک کے دوست یا کزن کے لیے آنے والے رشتوں کے سامنے خود کھڑے ہو گئے اور رشتہ ہتھیا لیا۔ خبردار جو تم اس لڑکے کے سامنے ڈرائنگ روم کے آس پاس بھی پھٹکی تو۔"

یہ وہ انتہائی تنبیہ تھی جو نفیسہ نے دبے الفاظ میں حبیبہ کے گوش گزار کی تھی کہ شاید وہ کسی تدبیر یا حکمت عملی سے سدرہ کی اس بدمست کو دور رکھ پائے مگر حبیبہ نے کسی بھی قسم کی مصلحت سے بے نیاز ہو کے اپنی فطرت کے عین مطابق ببانگ دہل یہ اعلان کر دیا۔

خولہ کی تو وہ حالت کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے اور سدرہ ہنسی لے لے کر مسکرائی ہوئی خاموش نظروں سے گویا یہ کہہ رہی تھی۔

"یہ ہے میری نند۔ اور لو لو تم ان کی شخصیت کے اسراروں کی۔"

"اور تم کیا دانت نکال رہی ہو۔ اپنے سے اچھی شکل کی سہیلیاں بناؤ تو کیا ہوتا ہے۔"

اس تبصرے نے سدرہ کے دانت اندر اور خولہ کے باہر نکال دیے۔

"پھر ایسے ہی ہاتھ پاؤں مار کے خود کو نمایاں رکھنا پڑتا ہے۔ فیشل' مینی کیور' پیڈی کیور' اسکن پالش سب کروا کے تو پیسے بے شک مجھ سے لے لینا بونس!

اور ہاں اس کھونسلے کی بھی چند شاخیں ترشوا لینا۔"
اس نے سدرہ کے بے ترتیب بالوں کو ہاتھ سے ہٹاتا سا ہلکا سا ہلا کر کہا۔
"اور تم خود! میرے ساتھ مارکیٹ چلو۔ کھانے کا بھی انتظام کرنا ہے۔"
"پتہ نہیں لوگ ایک وقت میں دو دو کام کس طرح کر لیتے ہیں یا کھانا کھاتیں یا لڑکی دیکھیں اور میں کوئی کام وام نہیں کرنے والی۔ نمبر تو آپ نے مہمانوں کے سامنے سدرہ کے ہی بنانے ہیں کہ یہ پلاؤ چکھیں' سدرہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ یہ سوئٹ ڈش ٹرائی کریں' یہ اس نے اپنی کنیزوں سے بنائی ہے اور یہ رائتہ تو آنکھ کے اشارے سے بنا لیا ہے۔"
"اور یہ کس قدر پیٹو مہمان ہے' ضرورت کیا تھی اسے عین کھانے کے وقت آنے کی۔ آرام سے اپنے گھر میں کھا پی کے یہاں آجاتا۔ اگر صرف مجھے دیکھنے کی نیت سے ہی آرہا ہے۔"
"بے وقوف لڑکی! یہی طریقہ ہوتا ہے لڑکی پسند کرنے کا۔ چائے یا کولڈ ڈرنک پینا بہت آسان اور سرسری سا کام ہوتا ہے' اس کے دوران لڑکا اور اس کے گھر والے لڑکی کا جائزہ ذرا تفصیلی لیتے ہیں لیکن اگر کھانا سامنے لگا ہوا ہو اور وہ بھی مزے کا۔۔۔ تو ان کی توجہ کھانے پہ زیادہ اور لڑکی پہ کم ہوتی ہے۔ یوں لڑکی تنقید اور سوالوں سے بچ جاتی ہے۔"
حبیبہ نے تجربہ کارانہ انداز میں سمجھایا۔
"پھر تو حبیبہ جی! آپ کو بونے ڈنر کا ارینج کرنا ہوگا تاکہ لڑکے کی نظر ادھر سے ادھر پھیلی کھانوں کی ورائٹی سے ہٹ کر سدرہ پہ جائے ہی نا۔۔۔" خولہ نے اور دل جلایا۔
"ایسا ہو تو نے کیا کون کوشش کے آنکھ بھی نظر نہیں آرہے۔ جلدی کرو تاکہ کچھ تو کھانے کو پیش کیا جا سکے۔"
"آنٹی! ڈنر پہ تو آپ کے ہی بریک فاسٹ پہ نہیں آپ کے ہاتھ پیر تو ایسے پھول رہے ہیں جیسے وہ مجھے نہیں آپ کو دیکھنے آرہا ہو۔"
"ارے' جب مجھے دیکھنے کے لیے لوگ آتے تھے تو میرے ہاتھ پاؤں اتنے پھول جاتے تھے' باجی باجیہ سوئیاں چبھو چبھو کے انہیں نارمل حالت میں لاتی تھیں۔"
"کون باجی۔۔۔؟ میری ماما؟"
"ہاں اور کون۔ سوئیاں چبھونے میں خاصی ایکسپرٹ ہیں وہ۔" حبیبہ نے فوکیلے لہجے میں کہا۔
"کمال ہے سدرہ! تم نے کبھی بتایا نہیں' تمہاری ماما ایکو پنکچر سرجن ہیں؟" خولہ مسلسل جلتی پہ تیل چھڑکنے کا کام کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ایک تصویر اور۔۔۔"
علی نے درخت کے تنے سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔
وہ دونوں ابھی شکر پڑیاں آئے تھے اور دوسری جگہوں کی طرح یہاں بھی علی نے سارا زور تصویریں بنوانے پہ لگا رکھا تھا۔ مقبول کیمرا اٹھائے اٹھائے تھک سا گیا تھا۔
"کیا مصیبت ہے' کتنا شوق ہے تمہیں تصویریں بنوانے کا۔ بس یہ میں آخری تصویر کھینچ رہا ہوں۔ Say Cheese۔"
علی نے ہدایت پہ عمل کرتے ہوئے کھل کے مسکرانے کی کوشش کی مگر یہ کوشش کچھ زیادہ ہی کامیاب ہو گئی اور مسکراہٹ ضرورت سے زیادہ کھل گئی۔
"میں نے Cheese کہا ہے' اسمائل دینے کا کہہ رہا ہوں اور تم ایسے منہ کھول رہے ہو جیسے کسی گورنمنٹ کے پاس آئے ہو۔"
"یہ میری ملین ڈالر اسمائل ہے دوست! اسی اسمائل پہ تو مرتی ہیں لڑکیاں۔"
"کم چھا تو پاکستان میں مردوں کی نسبت عورتوں کی شرح اموات میں اضافے کی وجہ تمہاری یہ مسکراہٹ ہے۔ جان لیوا قسم کی۔"

"یار! تم رہنے ڈاکٹر کے ڈاکٹر' میں دوسرے والے مرنے کی بات کر رہا ہوں۔ اس مرنے کی نہیں جس کا پوسٹ مارٹم ہوتا ہے۔ اچھا۔ یہ دیکھو۔"
اس نے ایک اور درخت سے ٹیک لگائی۔
"یہ پوز کیسا ہے' کیا لگ رہا ہوں؟"
"تم تو ٹھیک ہی لگ رہے ہو مگر یہ درخت۔۔۔ میرا خیال ہے یہ پولن پھیلا رہا ہے۔"
مقبول کے تجزیے پہ علی کرنٹ کھا کے درخت سے پرے ہٹا۔
"تمہیں پولن الرجی تو نہیں۔ اگر ہے تو میرے پاس ویکسین ہے اس کی' دو لے لو پھر چاہے جتنے دل چاہے پوز بنوا لینا اس درخت کے ساتھ۔" اس ہمدردانہ مشورے پہ علی کا دل جل گیا۔
"یا اللہ! کبھی کسی شریف انسان کو کسی ڈاکٹر کا دوست نہ بنائیو۔ توبہ کرو' مجھے نہیں کھنچوانی تصویریں۔"
وہ منہ بنائے اس کے آگے آگے چلنے لگا۔ مقبول ہونٹوں میں مسکراہٹ دبائے اس کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔
"اچھی بات ہے' ویسے بھی میں اتنا اچھا فوٹو گرافر نہیں ہوں۔ ہاں ایسے اچھے نکالتا ہوں میں۔ کبھی ٹرائی کرنا۔"

☼ ☼ ☼

"پتہ نہیں یہ شاہ رخ کہاں مر گیا ہے۔ نہ کچن میں ہے نہ اپنے کمرے میں۔"
حبیبہ سلاد بنا رہی تھی' کچھ چیزوں کا آرڈر دے آئی تھی جو شام کو پہنچ جاتیں مگر دوسرے انتظامات کے لیے شاہ رخ کو ڈھونڈ رہی تھی جو ندارد تھا۔
"پتا نہیں اسے زمین کھا گئی یا آسمان۔"
خولہ بھی اندر باہر سارا چیک کرنے کے بعد مایوسی سے یہ اعلان نشر کرتی کچن میں داخل ہوئی۔
"زمین اور آسمان کو کیا ضرورت ہے ایسی کچی پکی اش کھانے کی۔ ضرور کام سے بچنے کے لیے کہیں چھپا ہوگا۔ چلو ہم خود ہی کچھ ہاتھ پیر مار لیتے ہیں۔"
اس نے شاپر زمین سے سبزیاں اور ٹن پیک چیزیں نکالتے ہوئے کہا۔
"نہیں نہیں' بری بات ہوتی ہے۔ امی کہتی ہیں کھانے پینے کی چیزوں کو پیر نہیں مارتے' رزق کی بے ادبی ہوتی ہے۔"
"لڑکی! تم کچھ زیادہ ہی بولتی ہو۔ چلو میرے ساتھ سلاد وغیرہ بناؤ۔ بعد میں ڈنر سیٹ نکال کے صاف کرنا۔"
"کہیں شاہ رخ' سدرہ کے ساتھ تو نہیں گیا بیوٹی پارلر تک کیونکہ سدرہ اس سے پوچھ رہی تھی' یہاں کے سب سے اچھے پارلر کا ایڈریس۔"
"بیڑا غرق۔۔۔ اس سے پوچھنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں نے اپنے پارلر میں فون کر کے ٹائم لے لیا تھا اس کے لیے' وہ پتہ نہیں کہاں پہنچا دے اسے۔ کسی تھرڈ والے پارلر میں نہ لے جائے۔ ایک تو یہاں اس علاقے میں کوئی ڈھنگ کا بیوٹی سیلون ہی نہیں ہے۔"
"کیوں' یہاں کی لڑکیوں کے رشتے نہیں آتے کیا؟"
"چپ چاپ سلاد بناؤ۔" حبیبہ نے گھرکا۔
"خود آپ آسان آسان کام کر رہی ہیں' بس ٹن پیک کے سیل کھول کھول کے سب کچھ مکس کر رہی ہیں اور کاٹنے چھیلنے کا سارا کام مجھے دے دیا ہے۔" خولہ نے اس ناانصافی پہ احتجاج کیا۔
"مجھ سے نہیں ہوتا یہ سب۔ ایک تو یہ پیاز نہیں دیکھ کر مجھے انور شفیق کی یاد آتی ہے۔"
"یہ کون ہیں؟"
"ہیں نہیں' تھے۔ میرے شوہر۔"
"مرحوم کے بھی چھکے اترتے تھے۔"
"دونوں کی خصلت ایک تھی۔ آٹھ آٹھ آنسو رلانے کی۔"
"ایک بات تو بتائیں؟"
خولہ نے ہاتھ روکا اور بڑے اہتمام سے چند ایک

سوال ذہن میں ترتیب دیتے ہوئے تمہید باندھی۔ اس کا خیال تھا' حبیبہ اپنے ماضی کے بارے میں بات کرنے پہ تلی ہے ہی تو کیوں نہ اسے مزید کھولا جائے مگر برابر سدرہ کا جو عین وقت پہ تن فن کرتی آن ٹپکی۔

"ہمیشہ پھر سارے مجھے ہی کہتے ہیں کہ میں کوئی کام ٹھیک نہیں کرتی لیکن اب تب بتائیں خالہ! یہ کس کی غلطی ہے۔"

حبیبہ نے سویٹ کارن کا ٹن باؤل میں الٹتے ہوئے ایک تنقیدی نظر اس کے چہرے پہ ڈالی۔

"اس کم بخت بیوٹیشن کی' ذرا جو فرق پڑا ہو چہرے پہ۔ ویسا کا ویسا مرجھایا ہوا' بدرنگ۔"

"آپ کے اس بونمار شاہ رخ نے بیوٹی پارلر کا نہیں' آفس کریم پارلر کا ایڈریس بتا دیا تھا۔ تاکم بھی ویسٹ ہوا اور ٹیکسی کا کرایہ بھی۔"

"ایک تو یہ شاہ رخ' پوری بات کبھی سنتا ہی نہیں۔"

"تبلہ۔ بالکل غلط۔ سدرہ باجی نے پوری بات کی کب تھی' تو ہی کی تھی۔ صرف پارلر کہا تھا' بیوٹی پارلر نہیں۔"

وہ جو گھنٹہ بھر سے مل کے نہیں دے رہا تھا' نجانے کس کونے سے برآمد ہو گیا۔

"انتہائی ناکارہ انسان ہو تم' ایک نمبر کے نکمے اور بے کار۔ یہیں کہیں چھپے سب دیکھ رہے تھے اور انتظار کر رہے تھے کہ کب سارا دودھ جل جائے' کب تم اپنے بل سے باہر نکلو۔ میں آئندہ تو میں تمہارا کر رہی ہوں' کہا ذکر کیا تو بتا لیجیے۔"

"جی جی۔۔۔؟ آئندہ بھی ہوں گے۔۔۔ واہ جی۔۔۔ وہ والا آئٹم ضرور ہونا چاہیے۔"

"یہ شاہ رخ کی کون سی قسم کا گدھا ہے؟"

"شاہ رخ تو نہیں جی' رانجھی سانوت کا۔"

"لاحول ولا۔۔۔ میری دوبئی کی شکل یاد دلا دی۔"

حبیبہ نے اکتا کر روکی۔ "شاہ رخ ہو یا کوئی اور' کتنی بار کہا ہے کہ گھر میں قدم رکھو تو دھرنا۔"

"چھری لے کر پند چاہیے ہوں؟" وہ کھل گیا۔

"میں نے صرف دن کی بات کی ہے۔ شام کو مہمان آ رہے ہیں' تب تک مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔ خوامخواہ میرا خون جلتا ہے' جاؤ۔"

"ہر گھڑی بدل رہی ہے روپ زندگی۔"

وہ آہیں بھرتا کچن سے نکلا' کچن کے ساتھ بنے دروازے کو کھول کے عقبی برآمدے کی جانب نکلا' جہاں اس کا کوارٹر تھا' وہاں سے اپنی چادر اٹھائی اور سیدھا لان میں۔۔۔

"کل ہونہ ہو۔۔۔"

منہ اٹھائے گاتے گاتے دور کا بوجھ اور دیکھا۔

"نہیں' باجی نے گھر سے باہر جانے کا کہا تھا۔ اور لان میرا خیال ہے گھر کے اندر ہی ہے۔ چل بھئی شاہ رخ۔"

وہ چادر اٹھائے گیٹ سے باہر نکلا۔ یہ گھر اسٹریٹ کی ڈیڈ اینڈ پہ تھا اس لیے زیادہ رائے نام تھی۔ اکا دکا کوئی گاڑی کسی نہ کسی گھر میں آتی دکھائی دیتی۔ وہ بھی دوپہر کے اس وقت کہیں نظر نہ آتی۔ ہر سو سکون تھا۔ اس نے آرام سے گھر کی بیرونی دیوار کے ساتھ بنے گرین ایریا میں پاؤں پسارے اور سر سے پیر تک چادر اوڑھ کے لیٹ گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ دونوں بارش رائڈنگ کے لیے بضد ہو رہے تھے۔

"بھائی۔ او بھائی۔۔۔ ہم تمہارا گھوڑا خریدنے کی بات نہیں کر رہے۔ صرف پندرہ منٹ اس پہ "جھولے" لینا چاہتے ہیں۔"

"جی میں بھی پندرہ منٹ کی سواری کا ریٹ ہی بتا رہا ہوں۔ دو سو روپے فی کس۔"

"یہ سرکاری شہر ہے دوست۔ دارالحکومت۔ ادھر ہر بندہ اپنی حکومت چلاتا ہے اور اپنے دام لگاتا ہے۔"

کسی طرح معاملہ ختم کرانے کی نیت سے کہا اور دو سو روپے نکال کے گھوڑے والے کے ہاتھ پہ رکھے۔

لب وہ اچھل اچھل کے کونے پہ چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"یار! تم تو ذرا پیچھے ہٹ جاؤ۔ نہیں دیکھ کے گھوڑا نروس ہو رہا ہے۔" گاڈ فرسٹ بیٹل پہ ٹکا لیتے ہیں۔

"رائڈنگ تمہیں نہیں آتی تو ہر شرمندگی مٹانے کے لیے گھوڑے کو نروس کر رہے ہو۔"

"مجھے تو ایکٹر رائڈنگ آتی ہے کہ خود گھوڑے کو بھی نہیں آتی ہوگی لیکن یہ اس وقت واقعی ٹینشن میں لگ رہا ہے شاید اس بے چارے کو ڈر ہو کہ تم اس پہ بیٹھنے کی کوشش نہ کرو۔"

"موڈ پھر تم اکیلے" تبلیغ دینی شاہ کر گیا اور رخ موڑ کے تیز تیز چلنے لگا۔ علی کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اس نازک موقع پہ وہ اس کا رونا نورڈ نہیں کر سکتا تھا۔

"یار ایک تو تم لڑکیوں کا بس تک بیوٹی ویک ہوتا ہے ہر بات پہ منہ لٹکا لیتی ہو۔"

"تم میرے لٹکے ہوئے منہ۔ نہیں' اپنے چڑھے ہوئے منہ پہ غور کرو اس شکل کے ساتھ جاؤ گے لڑکی دیکھنے؟"

"نہیں' شکل اتار کے گھر رہ جاؤں گا۔ او۔ نہیں یار' شکل ساتھ نہ لے کر گیا تو لڑکی کیسے دیکھوں گا۔ آنکھیں تو شکل ہی کی ہوتی ہیں۔"

"بوگیاں مارنی بند کرو۔" منتہیٰ اس بار چڑ گیا۔ صبح سے اس کی بے صبری کی حد بھی ہاتھ اور برداشت بھی کر رہا تھا۔

"یار! سچ بتاؤں۔ میں نرسانوس ہو رہا ہوں اور اسی گھبراہٹ کو چھپانے کے لیے ڈینگیں ہو تکیاں جھاڑ رہا ہوں۔" علی نے سچ اگلا۔

"اس سے تو اچھا ہے تم اپنی گھبراہٹ کو چھپانے کا تکلف نہ ہی کرو۔ گھبرائے ہوئے تم کم بے وقوف لگو گے۔"

"یار! سچ بتانا۔ میں واقعی بے وقوف لگ رہا ہوں؟"

"نہیں۔۔۔ لگ نہیں رہے۔"

منتہیٰ نے چبا چبا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ مشکوک ہوا۔

"میرا مطلب ہے' ہو بے شک ہو مگر صد شکر دیکھنے میں اتنے نہیں لگتے۔ بچت ہو جائے گی۔ اتنے خاصے لوگ جو کھا جائیں گے۔"

"دراصل اس سے پہلے میں نے کبھی لڑکی نہیں دیکھی۔" وہ شرمایا۔

"کیوں' جھوٹ بک رہے ہو کہ کالج کے کشن میں پڑھے ہو اور لڑکی نہیں دیکھی۔ آنکھوں پہ پٹی باندھ کے جاتے تھے کالج اور یونیورسٹی۔"

"میرا مطلب ہے میں نے کبھی رشتہ۔ یعنی شادی کی نیت سے پسند کرنے کے لیے کوئی لڑکی نہیں دیکھی۔ یہ میرا پہلا موقع ہے۔"

"میرا بھی۔"

"تمہارا؟"

"ہاں۔ میرا بھی پہلا موقع ہے کسی لڑکے کو لڑکی دکھانے کے لیے لے کر جانے کا۔ میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی میں کبھی یہ کام بھی کرنا پڑے گا۔"

"وہ مرتا۔ ان کا تو تمہیں پتہ ہے ہر طرف سے اطمینان کر لیتی ہیں پھر ہی کوئی قدم اٹھاتی ہیں۔ مجھے وہاں بھیجنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے انہوں نے تمہیں تیار کیا میرے ساتھ جانے کے لیے۔"

"ہاں میں تو جیسے بڑا تجربہ کار ہوں۔ دو بیٹیاں اور تین بیٹے بیاہ دیا ہوں۔"

"کتنے بور اندیش ہو تم میرے دوست۔ ابھی شادی تمہاری ہوئی نہیں اور بچوں کی تعداد بھی سوچ رکھی ہے۔ پانچ۔۔۔ دو لڑکیاں۔ تین لڑکے۔ ویسے یار آج کے زمانے کے لحاظ سے پانچ بچے زیادہ نہیں ہیں؟"

"وہ تم گود لے لینا۔ کیونکہ۔ جس طرح کی باتوں میں وقت ضائع کر رہے ہو اس سے تو یہی لگتا ہے نہ تم رشتہ دیکھنے جاؤ گے نہ تمہاری شادی ہو گی نہ بچے۔ پھر تمہاری سونی زندگی میں رنگ بھرنے کے لیے میرے پانچ بچوں میں سے ہی ایک دو کام آ جائیں گے۔"

"یہ بتاؤ۔ کیا پہن کے جاؤ گے؟"

"ہوں۔ یہ سوال غور طلب ہے۔"

"پھر کرو۔"

"کیا؟"

"غور۔"

"کر لیا۔"

"اچھا! کیا پہنوں؟"

"کپڑے۔"

چند سیکنڈ علی اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا پھر مشکور و ممنون انداز میں اس کے ہاتھ تھام کے ان کی پشت پہ بوسہ دیتے ہوئے بولا۔

"پیر مرشد۔ آپ نہ بتاتے تو میں تو وہاں پتے باندھ کے جانے والا تھا۔"

☼ ☼ ☼

"ہیں۔ یہ کیا چیز ہے؟"

دونوں ٹھٹک کے رکے تھے۔

"چیز نہیں انسان ہے۔ علی نے ذرا آگے ہو کر غور سے جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ اور پھر چادر کا کونا ذرا سا اٹھا کے دیکھنے کے بعد دوبارہ منہ ڈھکتے ہوئے اضافہ کیا۔

"بھگ ہے نہیں تھا۔"

"کیا مطلب؟۔ پڑا پڑا انسان سے کچھ ہو گیا ہے؟"

"نہیں یار۔ بے چارہ شاید کسی لمبے سفر پہ جا رہا تھا۔؟ تھک کے لیٹا اور یہیں ہارٹ فیل ہو گیا۔"

"نہیں ہو۔ مجھے دیکھنے دو۔ مقبول کے اندر کا ڈاکٹر جاگا۔ "شاید یہ ابھی زندہ ہو اور اسے میری ٹرٹ منٹ کی ضرورت ہو۔"

"یار! خدا کا واسطہ ہے' مرے ہوؤں کو تو بخش دو۔ زندوں کو تمہاری ٹرٹ منٹ جہاں پہنچاتی ہے۔ یہ تو ٹل ریڈی وہاں جا چکا ہے۔ اب اسے اور کتنا آگے پہنچاؤ گے۔ [illegible] اور چیز کی ضرورت ہے۔"

"کس کی؟"

"[illegible] کی۔" علی نے جھلا کے کہا پھر جیب میں ہاتھ ڈالا۔

"ظاہر ہے' پیسوں کی۔"

"مگر تم خود ہی کہہ رہے ہو کہ یہ اوپر جا چکا ہے پھر وہاں اسے خرچا پانی کی کیا ضرورت ہے۔"

"وہاں جانے کا کرایہ ہے یہ۔ بے چارہ لاوارث مسافر تو ہی ہے۔ میرا مطلب ہے تھا۔ اس کے کفن دفن کے کام آئے گا۔ چلو ہم گھر ڈھونڈیں۔"

"یار! بس ایک دفعہ مجھے اسے چیک کر لینے دو۔ میرے اندر کے ڈاکٹر کو چین نہیں آ رہا۔"

"یار مقبول! تم سمجھتے کیوں نہیں۔ ہمیں اس لاوارث لاش کے پاس دیکھ کے کسی کے اندر کا پولیس والا بے چین ہو کر جاگ گیا تو لمبے چکر میں پڑ جائیں گے۔ ارے۔!"

بات کرنے کے دوران وہ تیزی سے آس پاس کے گھروں کے نمبر پڑھنے میں مصروف تھا۔

"ارے۔ یہی تو ہے ہوس نمبر الیون۔"

وہ چار قدم آگے بڑھا۔

"گئے ہوئے۔ یہ تو بڑی بدشگونی ہو گئی۔ تم جس گھر پہ رشتہ دیکھنے آئے ہو اسی کے باہر لاش۔"

"تم ذرا انڈین ڈرامے کم دیکھا کرو۔ ہونہہ۔ بدشگونی۔"

اس نے کال بیل دبانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ مقبول نے روک دیا۔ "ایک منٹ۔"

علی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اچھے کام کے لیے جا رہے ہو۔ پہلے ایک اچھا کام کرتے جاؤ۔"

"کیوں نہیں۔" علی نے بلا توقف اسے گلے لگا لیا۔ "بس۔؟" "اب خوش؟"

"بے وقوف انسان میں اس کی بات کر رہا ہوں۔"

مقبول نے ذرا فاصلے پر پڑے اس وجود کی جانب اشارہ کیا۔

"میں ایک ڈاکٹر ہوں مجھے چیک کرنا چاہیے تھا کہ اس کی موت کس وجہ سے ہوئی اور یہ کہ اسے فوت ہوئے کتنی دیر گزری ہے۔"

"یار! میری سمجھ میں نہیں آتا تمہیں سب کا فائدہ کیا ہے۔ مرنے والا مر گیا۔ تم نے اپنی ڈاکٹری ضرور چمکانی ہے۔ ہم رکھ تو آئے ہیں پیسے۔"

"دوسرا ہوا آدمی خود جا کے کفن خریدے گا۔؟"

"یار۔ واقعی یہ تو ہے ہم نے تو بے حسی کی انتہا کر دی۔" "کم از کم فاتحہ تو پڑھنی چاہیے تھی۔"

"اور اس کی تلاشی لے کر اس کا ایڈریس وغیرہ بھی معلوم کرنا چاہیے۔ چلو آؤ۔"

دونوں دوبارہ مڑے۔

"بھائی صاحب۔ ایک منٹ بات سنیں۔"

مقبول نے حیرت سے علی کو دیکھا جو پاس سے گزرتے ایک شخص سے رکنے کی استدعا کر رہا تھا۔

"یہ بے چارہ شخص مسافر تھا۔ اور دل کا مریض بھی۔ اس وقت اس کی لاش لاوارث پڑی ہے۔ اگر آپ کچھ امداد کر دیں گے تو اس کے اپنے اس کا آخری دیدار کر لیں گے۔"

اس شخص نے تعجب بھری نظروں سے علی کے شکستہ، سوجے سوجے سراپے کو دیکھا اور کچھ تذبذب کے ساتھ والٹ سے سو سو روپے کے دو نوٹ نکال کر نیچے رکھ دیے۔

خولہ نزدیکی اسٹور سے بسکٹ پیکٹ لے کر واک کرتی واپس آ رہی تھی جب گھر کے قریب ہی ان دو لڑکوں میں سے ایک نے اسے روکا۔

"سس۔! ہم اس لاوارث لاش کے لیے چندہ مانگ رہے ہیں۔"

"میرے پاس رکھوا کے گئے تھے آپ اپنی چندا؟"

وہ بھی خولہ تھی۔ اتنا سوال کر کے دونوں کو بغلیں جھانکنے پہ مجبور کر دیا۔

"اور یہ جو مر گیا ہے' یہ اب چندا کا کرے گا کیا۔؟ آپ کو لینی ہی ہے تو اپنے لیے مانگیں۔ ہونہہ۔"

وہ ان دونوں کو ہکا بکا چھوڑ کے آگے بڑھ گئی۔

"ارے۔ کمال لڑکی ہے۔" علی بڑبڑایا۔

"وہی ہے۔ یار یہ تو وہی ہے۔" مقبول نے اسے ہوس نمبر الیون کے گیٹ کے اندر جاتے دیکھ کر منہ لٹکایا۔

"وہی تو میں کہہ رہا ہوں۔ کمال۔" علی کی نظروں نے بھی یہ منظر دیکھا اور اس کے باقی کے الفاظ لبوں کے پیچھے دم توڑ گئے۔

"مارے گئے۔"

"سو فیصد مارے گئے۔ اب اس لاوارث لاش کے نہیں بلکہ اپنے کفن دفن کے انتظامات کے بارے میں سوچو۔"

"دادو کہتی تھیں جب کوئی انسان ہدایت پاتا ہے اور نیکی کے رستے پہ چلتا ہے تو شیطان بھیس بدل بدل کے اس کا رستہ کھوٹا کرتا ہے اور اسے بہکانے کی کوشش کرتا ہے۔"

"مصیبت کے وقت بلی یاد آتی ہے یہ تو سنا تھا۔ تمہیں دادو یاد آ رہی ہیں۔"

"مجھے اب احساس ہو رہا ہے کہ وہ کتنا سچ کہتی تھیں۔ دیکھو۔ ہم نیکی کا کام کر رہے تھے۔ اس لڑکی کی وجہ سے یا رشتہ طے نہ ہو سکنے کے ڈر سے میں اس مسافر کی لاش لاوارث نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ ایک نئے عزم سے مڑا اور پاس سے گزرنے والے ایک اور شخص کو روکا۔

"ایکسکیوزمی انکل!"

☼ ☼ ☼

"آپ کو پتہ ہے' ہمارے گھر کے باہر کیا ڈراما ہو رہا ہے۔" خولہ نے اندر آتے ہی جھاڑا کیا۔

"اسٹرٹ تھیٹر۔؟" سدرہ ایکسائٹڈ ہوئی۔

"وہ لڑکی کوئی والیوں کا ہی ہو گا۔ ہر تیسرے دن اسٹرٹ میں مجمع لگا کے بیوی سے لڑتا۔۔۔ گھٹیا شخص۔" حبیبہ نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"باہر ہینڈم بوائز کسی لاوارث لاش کے لیے چندہ اکٹھا کر رہے ہیں۔"

"بے وقوف ہیں۔ ایدھی والوں کو فون کر دیتے۔" حبیبہ نے ذرا سے دی۔

"ان کا کہنا ہے کہ وہ نہ صرف اس کے کفن دفن کا انتظام کرکے دفنانا چاہتے ہیں بلکہ اس کے گھر تک بھی اسے پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس کے خاندان والوں کے پاس۔"

"ہیں کون سر پھرے۔ چلو دیکھتے ہیں۔" حبیبہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"رہنے دیں۔ خالہ۔ بے کار میں دو تین سو دینے پڑیں گے۔"

مدرو نے آنکھ دکھائی۔

☆ ☆ ☆

"کہاں ہیں دونوں ہینڈسم؟" حبیبہ نے باہر نکل کے گردن گھما گھما کے چاروں طرف دیکھا۔

کسی ذی روح کا نام و نشان نہ تھا۔

"ابھی تو یہیں تھے۔ وہ لاش۔ وہ ری۔"

اس کی نشان دہی پہ حبیبہ نے دیکھا۔

"اوہو۔ اسے بھی ہمارے گھر کے سامنے ہی مرنا تھا۔"

وہ بڑبڑائی تو خولہ نے ناپسندیدہ نظروں سے اسے گھورا۔

"حد ہے بے حسی اور سفاکی کی۔"

"تمہیں میری بات پہ اعتراض ہے تو تم اسے اپنے گھر کے سامنے لے جا کے مار دو۔"

"یہ چادر تو ہمارے گھر کی ہے۔" حبیبہ پر تجسس انداز میں آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

اس نے پیروں کی جانب سے چادر کا ایک کونا اٹھا کر چیک کیا۔ "ہاں یہ نشان بھی ہمارے لانڈری والے کا ہے۔ کیا ہیٹ چور ہے چوری کی چادر لے کے مزے سے مر گیا۔"

"مجھے تو لگتا ہے یہ پورا گینگ ہے۔ پلاننگ کے ساتھ کسی کسی ایریا میں کارروائی کرتے ہوں گے۔ دو تین گھنٹے اسی بہانے وہاں گزار کے کاٹھ ہاتھ لگ جاتا ہوگا۔ سارے بھید لے کر پھر کرتے ہوں گے واردات۔"

دھندلی کی کوئی لائی جس پہ حبیبہ فوراً متفق ہوئی۔

"ہاں، ٹھیک کہہ رہی ہو۔ کیا غضب کا شاطرانہ دماغ پایا ہے ان لوگوں نے۔ کوئی شک بھی نہیں کرتا ہوگا۔ انداز سروں کی ہمدردی وصولتے ہوں گے۔"

"اب کیا کریں؟" خولہ نے مستعدی سے پوچھا جیسے حبیبہ کا اذن ملتے ہی وہ جرائم پیشہ عناصر پہ بلہ بول دینے والی ہو۔

"اب۔" حبیبہ نے پل بھر کے لیے سوچا، پھر فیصلہ سنا دیا۔

"اب ہم جا کے شلوار لیتے ہیں اور تیار ہونے ہیں۔ مہمان آنے ہی والے ہوں گے۔"

"حد کرتی ہیں آپ۔ آپ کے ہمسائے میں اس وقت کسی کے سر پہ خطرے کے بادل منڈلا رہے ہیں اور آپ کو شلوار لے کر تیار ہونے کی پڑی ہے۔"

"تو اور کیا کروں۔ گھر گھر جا کے دروازے کھٹکھٹاؤں۔" وہ چڑ گئی۔

"اس لاش کی تدفین لیتے ہیں۔"

"دماغ خراب ہے تمہارا؟" حبیبہ نے یہ آئیڈیا کمرے کر دیا۔ "اب میں لاشوں کی تلاشی لیتی پھروں۔ پھر کوئی اس کا پوسٹ مارٹم بھی کروا لیتے ہیں۔"

"آپ رہنے دیں۔ میں خود دیکھتی ہوں۔ شاید اس کی جیب سے ان مجرموں کا کوئی سراغ نکل آئے۔"

خولہ تصنعیں پھکتی بڑے جوش سے آگے بڑھی۔

"میری چادر بھی لے لینا۔"

"یہ دیکھیں۔ سو سو کے بے شمار نوٹ۔ پانچ پانچ سو اور ہزار کے بھی اکا دکا پڑے ہیں۔ سب آپ جیسے سنگدل نہیں ہیں۔"

وہ ابھی چادر پرے کرنے ہی والی تھی کہ عقب سے شور سا مچا۔

"پکڑو۔ جانے نہ پائے۔ پکڑ لیا۔"

گھر کے گھبرا کے دیکھا۔ وہی دونوں ہینڈسم سر پہ کھڑے تھے۔ حبیبہ بھی منہ کھولے سچویشن کی تبدیلی نوٹ کر رہی تھی۔

"رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔" علی نے نعرہ لگایا۔ مقبول بھی تاسف سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"لوگ ہم کرڈاکٹروں پہ خوامخواہ الزام لگاتے ہیں کہ ہم مریضوں کی کھال اتارتے ہیں۔ مگر یہ نہیں جانتے لوگ کہ کچھ آپ جیسے ہنرمند بھی ہوتے ہیں جو مردوں کی چادر تک اتار لیتے ہیں۔"

"اور آپ جو زندہ لوگوں کی جیبیں خالی کروا رہے ہیں۔ وہ کس کھاتے میں جائے گا؟"

حبیبہ ہاتھ نچا کے کہتے میدان میں اتری۔

"اوہ۔ یک نہ شد۔ دو شد۔ لگتا ہے ان کا پورا گینگ ہے۔" مقبول نے سر سے پیر تک حبیبہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا تو خولہ کے آگ لگ گئی۔

"بہلایا آپ کا ابو مرا۔ فراڈیے۔"

"شش۔ چپ۔ مردے کے پاس کھڑے ہونے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں۔ خاموش رہیں آپ سب اور فاتحہ پڑھیں اس بیچارے کے ایصال ثواب کے لیے۔ اس کے بعد یہ طے کریں گے کہ اس لاش پہ کون اپنی دکان چمکا رہا ہے۔"

اس نے دعا مانگنے کے لیے ہاتھ اوپر اٹھایا۔ اس کی دیکھا دیکھی۔ یا شرما شرمی۔ باقی تینوں نے بھی ہاتھ اٹھا لیے۔

"ہیں۔ اتنی خاموشی کیسے ہو گئی۔" شاہ رخ نے بوکھلا کے چادر پرے سرکائی۔

"جب تک میرے سرہانے کھپ نہ پڑی ہو، سواد کی نیند نہیں آتی۔"

اس کی بڑبڑاہٹ پہ چاروں نے بیک وقت اپنی آنکھیں کھولیں۔ وہ کپڑے جھاڑتا ہوا اٹھ رہا تھا۔ چاروں نے بے ساختہ چیخیں ماریں۔ حبیبہ نے پہلی چیخ کے دوران ہی شاہ رخ کے شرمندہ چہرے کو دیکھا اور وہیں فل اسٹاپ لگا دیا۔

"شاہ رخ تم؟"

"جی۔ بی بی جی۔!" وہ شرمندگی سے کچن کھجانے لگا۔

"تو تم دونوں ساتھی ہیں۔" علی نے حبیبہ کو گھورا۔

"نہیں جی۔ ساتھی کہاں۔ یہ مالک۔ میں نوکر ذات۔"

"اور کتنے لوگ ہیں آپ کے گروہ میں؟"

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"وہی جو سچ ہے۔ تم لوگ سیدھے سادے لوگوں کے جذبات سے کھیل کر پیسے بٹورتے ہیں۔"

"نہیں جی۔ آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔" شاہ رخ نے اپنی دانست میں معاملہ کلیئر کرنا چاہا۔ "یہ تو صرف لوڈو کھیلتی ہیں اور اس پہ بھی پیسے کبھی نہیں لگاتیں۔ توبہ توبہ۔ وہ تو جوا ہوتا ہے۔ مجھے بھی یہ سچ پہ پیسہ لگانے سے منع کرتی ہیں۔ یہ صرف بوتلوں کی شرط لگاتی ہیں۔ جو ہار جاتا ہے وہ بوتلیں پلاتا ہے۔"

"فی الحال تو آپ ہمیں بوتلیں پلائیں۔ کیونکہ اتفاق سے ہم آپ کے مہمان ہیں۔"

"کیا؟ کیا مطلب؟" حبیبہ کے کان کھڑے ہوئے۔

"کیا آپ۔ علی۔ مہمانی۔"

"جی۔ میں ہوں مہر پیا، بھرجائی علی۔"

"اور آپ؟" مقبول نے باری باری دونوں کے چہرے دیکھے۔

☆ ☆ ☆

"یار! مجھے تو یہ دونوں پسند آئی تھیں مگر افسوس ان میں سے وہ کوئی نہیں ہے۔"

حبیبہ کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے علی نے مقبول کے کان میں سرگوشی کی۔

"کم افسوس نہیں، شکر ادا کرو۔ ایک تم سے مرہیں زیادہ تھی۔ اور دوسری اسمنا میں۔ تم نے دیکھا نہیں، کیسے کمر کس کے میدان میں اتری تھی۔"

علی خاموش رہا۔ مگر اس کا دل کہہ رہا تھا۔

"یہی جی داری تو کمی ہے۔"

"تو سدرہ؟" حبیبہ کی آواز پہ اس نے چونک کے سر اٹھایا۔

بلاشبہ وہ بے حد حسین تھی۔ خولہ سے کم۔ یا اس

کرنے خاصی چہرے سوئی تھیں۔ سدرہ کو اب تک انہیں نہ سمجھنے کا ملال تھا جبکہ خولہ کو یہ اطمینان کہ کم از کم وہ اپنے خول سے باہر تو آئی۔ پتہ نہیں کس وقت آنکھ لگی تھی کہ جیبہ کی آواز پہ دونوں نے مشکل سے آنکھیں کھولیں۔

"چلو کمرے۔ اٹھو۔ یہ کوئی وقت ہے سونے کا۔ جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے اور تم دونوں بھی کھو رہی ہو۔ ایک بے حد خوشگوار اور سہانا دن' جلدی باہر آؤ۔ بارش بس اترنے ہی والی ہے اور بارش کے پہلے پہلے قطروں کو ہتھیلیوں پہ بھرنے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔"

دونوں حیرت سے اسے مسلسل بولتے دیکھ رہی تھیں۔ کھلتے ہوئے رنگ کا لباس پہ سفید دوپٹہ جس پہ زرد' سبز اور سرخ رنگ کے پھول ٹنکے تھے' اوڑھے وہ بے حد فریش لگ رہی تھی۔ چمکتی جلد والے تر و تازہ چہرے پہ رات والے اضمحلال کا ہلکا سا نشان تک نہ تھا۔ ہیرے کی کنی سی جگمگاتی آنکھوں کو دیکھ کے گمان تک نہ ہوتا تھا کہ کل یہ کتنی بیمار تھیں۔

"میں نے شاہ رخ سے کہہ کر کچھ ڈے بھی بنوائے ہیں۔"

"کچھ ڈے اور بھی سیج کے نو بجے؟"

"شاید تم نے غور سے سنا نہیں۔ میں نے کہا ہے کہ شاہ رخ سے بیزار ہی ہوں۔ اگر نو بجے بنانا شروع کرے گا تو بارہ بجے تک نہیں کرے گا۔"

اپنی بات کے اختتام پہ اس نے خود ہی ایک جان دار قہقہہ لگایا۔

اور خولہ اور سدرہ دو رات دیر تک یہ طے کرنے میں مصروف رہی تھیں کہ ان میں سے کون جیبہ کو اس دیرینہ کوا فرسٹریشن سے باہر لانے میں کامیاب ہوگی۔ [illegible] اس کے ہمراہ قہقہوں کا ساتھ دے رہی تھیں۔

"میں' تنی ایم۔ پیار میں انسان پاگل ہو ہی جاتا ہے۔"

"ہائی گیج! ایک ملاقات کو تم پیار کا نام دے رہے ہو اور ملاقات بھی وہ جس میں تم دونوں نے ایک دوسرے پہ نچے تیر کرنے کے سوا کچھ نہیں کیا۔"

"پہلی ملاقات میں تم ایک مشرقی لڑکی اور مشرقی لڑکے سے اور کیا توقع رکھ سکتے ہو۔" علی شرمایا۔

"مشرقی۔ ہوں کہو کہ ایک مشرقی دوسرا مغرب۔ تم دونوں میں کوئی ایک بھی قدر مشترک ہے؟"

"ہاں ہے۔" علی نے بلا توقف کہا۔

"مثلاً۔" مقبول کے استفسار پہ علی سوچ میں پڑ گیا۔

"مثلاً۔۔۔ ہاں۔۔۔ اس کا نام بھی تین حرفی ہے اور میرا بھی۔ اس کے بال بھی کالے ہیں اور میرے بھی۔"

"ہاں اور اس کی بھی دو آنکھیں' دو کان اور ایک ناک ہے اور تمہاری بھی۔"

مقبول نے شرمندہ کرنا چاہا' وہ تنک رہے ہو ابھی۔

"یار کیا کروں محبت تو ایسے ہی ہوتی ہے اچانک۔ کسی وائرس کی طرح اٹیک کرتی ہے۔ اس کی کوئی خاص وجہ تو ہوتی نہیں جو میں بیان کروں۔"

"مگر اپنی صورتا سے تو تمہیں کچھ نہ کچھ بیان کرنا ہوگا۔ من سے کیا کہو گے۔"

"من سے۔۔۔" اس نے ثانیہ بھر کو سوچا پھر کھل اٹھا۔ "ان سے کہہ دوں گا کہ سدرہ مقبول کو پسند ہے۔"

"ہرگز نہیں' مجھے قربانی کا بکرا بنانے کی ضرورت نہیں۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔

"دیکھو میرے دوست' تمہیں کہیں نہ کہیں شادی کرنا ہے' کبھی نہ کبھی گھر بسانا ہے پھر اب کیوں نہیں۔ سدرہ کیوں نہیں۔"

"کیونکہ۔۔۔" مقبول نے اسے اصل وجہ بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

☆ ☆ ☆

"سر کا فون آیا تھا۔" اس نے سرد لہجے میں سدرہ کو بتایا۔

"تو آپ نے بتایا تھا نہیں میرا جواب۔"

"اس کی نوبت نہیں آئی۔ اس نے پہلے ہی اپنا جواب سنا دیا۔" وہ خاصا چبا چبا کے بولا۔

"یعنی میں بھی اسے پسند نہیں آئی۔" سدرہ چونک اٹھی۔ "دیکھا بھلا یہ رشتہ بھی جم سکتا تھا؟ نہ وہ مجھے پسند نہ میں اسے پسند۔"

"وہ تمہیں کیوں نہیں پسند آیا' یہ میں نہیں جانتی مگر تم اسے اس لیے پسند نہیں آئیں کہ تم نے اپنی دوست کو جو آگے آگے کر کر کھا تھا' مہر تا رہی تھی کہ علی کو خولہ پسند آئی ہے۔"

"واٹ۔۔۔ مرا آئے گا۔"

"میں کیا تمہارے منہ میں نوالے بنا بنا کے ٹھونس رہی ہوں جو تمہیں مزے آ رہے ہیں۔ بے وقوف لڑکی' تمہاری سہیلی تمہارے ناک کے نیچے سے تمہارے لیے تیار رشتہ لے اڑی۔"

"ظاہر ہے' سہیلی جو ہوئی۔ دوست ہی مشکل میں کام آتے ہیں۔"

"میں نے کہا بھی تھا جیبہ سے مگر اسے کیا۔ اس کی بلا سے رشتہ ہوتا نہ ہوتا' وہ کیوں خیال رکھتی اس بات کا کہ تمہارے رشتے کے لیے آئے لڑکے کے سامنے خولہ کو نہیں جانے دینا۔ ایسی نزاکتوں کا خیال تو ماں ہی رکھ سکتی ہے۔ میرا ہی دماغ خراب تھا جو میں نے اتنی بڑی ذمہ داری اسے سونپی' وہ اتنی ذمہ دار ہوتی تو اپنا گھر نہ بسا ہوتا اس کا۔"

"پلیز پاپا! خولہ کو کچھ مت کہیں۔" سدرہ نے ناگواری سے ٹوکا۔

"کیوں نہ کہوں اسی کی شہ ہوگی یہ اور میں بھی اب کچھ کچھ جاننے لگی ہوں' تم اس رشتے سے خوش کیوں نہیں تھیں۔ اپنی دوست کی چکنی چپڑی دیکھ لی تم نے اور چلی ہو گی اس کا راستہ صاف کرنے اور جیبہ۔۔۔ اس عمر میں بھی بچپنا نہیں جاتا اس کا۔ اب لڑکیوں میں لڑکی بنے رہنے کے شوق میں ایسی حرکتیں کرتی ہے' اس بار آوں تو اس سے تفصیلی بات کروں گی۔"

"کچھ نہیں کہیں گی تب خالہ سے۔" سدرہ کے لہجے میں چٹکی تھی۔ "ان کا اس سارے معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے' اس لیے انہیں تو آنگ ہی رکھیں تب' جو کچھ انہوں نے کیا ہے' میرے لیے آپ کے لیے یا فیملی کے کسی بھی فرد کے لیے' اگر اس کا صلہ انہیں نہیں دیا جا سکتا تو کم از کم وہ قصور تو ان کے کھاتے میں نہ ڈالا کریں جو انہوں نے کیے ہی نہیں ہوتے۔ رہا خولہ کا معاملہ۔۔۔ تو اس لڑکے نے خولہ کو پسند کیا ہوگا' خولہ نے اسے نہیں۔ تو جب ایسا کچھ ہوا ہی نہیں تو میں کیسے اس کا راستہ صاف کرنے کے لیے جھاڑو بنتی۔"

"اب میں اس مہر کا کیا کروں' وہ خولہ کے گھر جانے کے لیے تلی بیٹھی ہے۔ سوچ رہی ہوں اس کو ایڈریس؟"

"میں خولہ سے پوچھ کے بتاؤں گی۔"

سدرہ نے کچھ سوچ کے کہا۔ وہ جانتی تھی خولہ مشکل سے ہی اس بات کے لیے راضی ہوگی۔ وجہ یہ نہیں تھی کہ علی میں کسی قسم کی کوئی خامی تھی۔ وہ اچھا بھلا پینڈ سم اور قابل لڑکا تھا' سلجھا ہوا اور مہذب۔ اس کا اعتراف تو سدرہ کو بھی تھا۔ ہاں وہ خود اپنے آپ کو اس کے لیے راضی نہیں کر پائی تھی تو اس کی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ۔۔۔ نہیں نہیں۔۔۔ ابھی کہانی کا وہ موڑ نہیں آیا جب کسی خوابوں کے شہزادے کی انٹری ہوتی' ہاں مگر سدرہ کو اس انٹری کا انتظار ضرور تھا۔ وہ ارینج میرج کے بجائے لو میرج کر کے پچھتانے پہ زیادہ یقین رکھتی تھی۔ یعنی پچھتانا تو ہے ہی تو کیوں نہ انسان اپنے کیے پہ پشیمان ہو' نہ کہ دوسروں کو کوستا پھرے۔

خولہ کے دماغ میں فی الحال یہ کیڑا نہیں تھا' ویسے بھی دوسروں کے کاندھے پہ رکھ کے بندوق چلانے کی عادی تھی۔ اگر علی کہیں بھی کسی بھی راستے پہ روک کر اس سے ایڈریس لیتا اور اپنا مدعا بیان کر دیتا تو وہ اچھل و چراد دیتی اور کبھی پلٹ کے یہ بھی جاننے کی کوشش

نہ کرتی کہ اس کے ماں باپ نے علی کو کیا جواب دیا ہے۔ وہ اپنے سارے اختیارات انہیں سونپ دینے کے بعد ایسی ہی بے فکر ہو چکی تھی لیکن سدرہ سے چاہتی تھی کہ اگر علی واقعی اس پہ دل ہار بیٹھا ہے تو یہ رشتہ ہو جائے اس لیے اس نے خولہ کو منانے کی کوشش کی۔

"ہر لڑکی میں محبت ہو سکتی ہے۔"

"سنتے تو سنتے جاتے رہتے ہیں۔ اتنے دوست نصیب سے ملتے ہیں اور میں تمہاری طرح اپنی دوستی میں کوئی کمی نہیں چاہتی۔"

"شاید تم بھول رہی ہو کہ علی نے تمہیں پسند کرنے کی حماقت کی ہے۔ جانتے ہو بہت پہلے میں اس رشتے کے لیے اپنی پسندیدگی کا ظاہر کر چکی ہوں۔"

"پاگل مت بنو۔ وہ کیا سمجھیں گے۔ کیسی رائے تم کو میری بہن کے بارے میں۔"

"محبت کا کچھ نہیں ہوگا۔" سدرہ ان کے خولہ کے بارے میں دی گئی خبر صاف چھپا گئی۔

"ہونہہ۔ ہوگا کیسے نہیں۔ میں کیا جانتی نہیں تمہاری بلا کے بارے میں۔ جب وہ کسی بہن کی بہت تعریف کرتے ہیں تو تمہیں تو مجھ پہ ترس آنے لگتا ہے۔"

خولہ بھی اپنے اندازے کی بات میں ہی کہہ گئی۔

"کیا بات چل رہی ہے؟" حبیب نے اک مین کا ہم فون اندر کے ایک طرف رکھتے ہوئے پوچھا۔

"آپ ہی بتائیں خالہ! یہ حماقت کر رہی ہے کہ نہیں۔"

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے۔ ہماری نکمی بیٹی تو ملنے دے دے کر اس کا اور اس کے گھر والوں کا جینا محال کر دیں گی۔"

حبیب نے دو کہہ دیا تو خولہ کب سے کہنے کے لیے مچل رہی تھی۔ تمہارے لڑکا کے لب پہ جنبش تھی۔

"ورنہ میں اپنے کون سے سر تاج کے پرے ہیں۔ وہ اس کی خاطر اپنی ہتک عزت اغوائی کرائے۔ ہاں تمہاری محبت ہوتی تو سوچا بھی جا سکتا تھا۔ بھئی عشق میں تو ہونے بھی کھانے پڑ جاتے ہیں۔"

خولہ بھی کچھ سمجھا رہی تھی۔

"لیکن دوسری طرف یہ بھی سچ ہے کہ اگر علی نے سر تاج کے پیر نہیں پکڑے تو تم میں تو سر سے کوئی بھی پیر نہیں۔ اتنی بھی تمہاری زبان ہے۔ ہم کی شکل و صورت خاص سلیقہ و طلعہ بھی نہیں ہے۔ ایکسرسائز کر کے بالکل جنوں سے اپنے جسم کو چھریرا رکھا ہے ورنہ فن فن ہی ہو تیں۔ وہ تمہارے حق حلال کمانے والے سرکاری ملازم ہیں۔ بھئی بھی ایک کا معمولی جوڑے والے کرائے کا گھر۔ نہ تم کوئی ایسی تیس مار خاں کی تعلیم حاصل کر رہی ہو کہ ڈگری ملتے ہی تمہیں بڑے کی ملازمت مل جائے۔ ایسا ہوتا تو شاید اسی بات میں کوئی بات ہو جاتی۔ اب ایسے میں اگر علی ستاروں کی گردش کا شکار ہو گیا ہے تو تم کیسا اپنی قسمت کے دروازے بند کر رہی ہو۔"

اس بار جھوٹے کی باری سدرہ کی تھی اور خولہ سے دوسرے پہلو نے جیسے گود کھو رہی تھی۔

"تب۔ تب زیادتی کر رہی ہیں۔ محبت مشکل سے ملتا کرتی ہے۔"

"خولہ! تم کم کر رہی ہو تو بھی کیا پتہ ساتھ۔"

"بس۔ سن لیا۔ اب تو ان بہت۔ یہ سراسر میرا ہی نہیں خالہ کا بھی خیال ہے کہ علی سے کوئی تو اس تمہارے لیے کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔ تم کم از کم یہ مرحلہ تو طے کر لو۔ آگے کا تو ہمیں پتہ ہے تو فیصلہ تمہارے پیر تس کریں گے۔ تمہیں وہی تھوڑا ہوگا۔ بس تمہاری تو کو اپنا جانے کی اجازت ہے۔ میرا تمہیں تو خالہ کا مشورہ ہی مان لو۔ بزرگ کبھی غلط۔"

"ہے لڑکی۔ یہ بزرگ کیسے کیا ہے؟"

اور یہاں لوٹتے پھرتے پاؤں خود انہوں نے خولہ کو رضامند کر دیا۔

✿ ✿ ✿

"اگر فیصلہ کر ہی لیا ہے تو اب اس پہ مطمئن بھی

ACK®
SE
Supreme
COLOR
with
Conditioner

ہو جاؤ۔"

رات کو اسے نیرس پر بے چینی سے شلتے پا کے حبیبہ نے نرمی سے کہا۔

"پتہ نہیں میں نے ٹھیک کیا یا غلط۔ دراصل مجھے لوگوں کی باتوں سے بہت ڈر لگتا ہے۔"

"کیسے۔۔۔ کیا لوگوں کی بے بنیاد باتوں میں آ کے تم اپنی زندگی میں آنے والا ہر چانس یونہی مس کرتی جاؤ گی۔"

"چانس۔۔۔؟" خولہ نے اچنبھے سے دہرایا۔

"ہاں۔۔۔ اگرچہ میں ذاتی طور پر اس بات کی قائل ہوں کہ صرف شادی ہی لڑکی کی زندگی کا واحد گول نہیں ہونا چاہیے لیکن بہرحال یہ بھی ایک مرحلہ ہوتا ہے جو اگر بخیر و خوبی حل ہو جائے تو زندگی کے باقی مراحل بڑے سبک سے ہو جاتے ہیں۔ نہ ہو تو اگلے راستے تھوڑے سے دشوار ضرور ہو جاتے ہیں یا تو تم کہو تمہیں میرے سے شادی ہی نہیں کرنا لیکن تم ایسا نہیں کو گی۔ تم ایک نارمل اچھی بچی ہو۔۔۔ تو شادی کبھی نہ کبھی تو کرو گی وہاں جہاں تمہارے والدین کہیں گے تو علی کیوں نہیں۔ میں جانتی ہوں کہ وہ ایک ایسا لڑکا ہے جس کو تمہارے گھر والے آنکھ بند کر کے ہمارے لیے منتخب کر لیں گے پھر بے بنیاد خدشات کو بنیاد کیوں بنا رہی ہو۔ سب کچھ اللہ پہ چھوڑ دو۔"

"آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا؟"

خولہ کے بے ساختگی سے کیے سوال پہ روانی سے بولتی حبیبہ ایکدم چپ ہو گئی۔

اسے کوئی جواب نہ سوجھا تو بے بسی سے پلٹ کر اندر جانے لگی۔

"بیا میں نا حبیبہ جی! آپ نے اپنی زندگی کے راستے منتخب کرنے کے بارے میں کبھی نہیں سوچا؟"

خولہ کے سوال کرنے ایک بار پھر اس کے قدم روکے۔

"اگر صرف سوچنے سے سب ہونے لگے تو۔۔۔"

اس کی بے ساختگی پہ حبیبہ نے اسے دیکھا اور اپنے لہجے میں زبردستی کی بشاشت پیدا کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"دراصل مجھے دیکھ کے کسی کے ستارے گردش میں آئے ہی نہیں۔ کون کسی ایسی عورت سے شادی کرنا چاہتا جو شادی کے چھٹے مہینے بغیر کسی وجہ کے اپنے شوہر کو چھوڑ کے میکے آ بیٹھی ہو۔ اس کے مسلسل منانے اور منت سماجت کرنے پہ بھی اس کی ناں میں نہ بدلی ہو۔ جس کی ضد کو شوہر کے ایک سمجھوتے نے بھی نہ توڑا ہو اور وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا اس شخص کو ایک نظر دیکھنے اسپتال تک نہ گئی ہو۔ اتنا سب جاننے کے بعد کون آتا میرا طلب گار بن کے؟ ایک بے حس، سنگدل، کٹھور اور خود غرض عورت کو اپنی زندگی میں شامل کرنے۔"

☆ ☆ ☆

حبیبہ نے خولہ کو قائل کرنے کے لیے یہ کہہ تو دیا کہ۔۔۔

"میری زندگی میں ایسا کوئی چانس آیا نہیں، آیا ہوتا تو میں ضرور اس سے فائدہ اٹھاتی۔ تمہاری طرح لوگوں کی باتوں کے ڈر سے ہاتھ سے نہ گنواتی۔"

مگر وہ نہیں جانتی تھی اگلے ہی روز اس کے اپنے کیے الفاظ اس کا امتحان لینے اس کے سامنے تن کے کھڑے ہوں گے۔

علی کی صرتیا خولہ سے ایڈریس لینے کے بعد اگلی ہی فلائٹ سے سیدھی پاکستان آ گئیں۔

"یہ یہاں کس لیے آئی ہیں؟" خولہ بے حد گھبرا گئی۔

"جانا ہے تو میرے گھر جائیں لیکن انہیں اتنی جلدی کیا تھی بھلا۔ ابھی میں گھر پہ تو بتاتی۔" وہ سخت پریشان ہو کے لگ رہی تھی۔

"مجھے لگتا ہے جلدی بہن کو نہیں بھائی کو ہے۔ لیکن کیوں؟" سدرہ نے خیال ظاہر کیا۔

"مجھے ایسی خاص جلدی نہیں تھی۔ میں تو پوری تیاری کے ساتھ آنا چاہتی تھی لمبی چھٹی لے کر تاکہ ایک ہی بار شادی کر کے جاؤں علی کی گھر۔" صرتیا نے سر جھٹکا۔

وضاحت پیش کی۔

"مقبول کے بلانے پہ آنا پڑا۔ وہ میرے لیے بھائی سے کم نہیں۔ میں نے سوچا علی کا معاملہ تو ہو تا رہے گا۔ وہ اپنی بات سے مکرنے والا نہیں مگر مقبول جو پیچھے ہاتھ نہیں دھرنے دیتا تھا آج بلایا ہی ہے تو یہ موقع گنوانا نہیں چاہیے۔"

"اوہ۔۔۔ آپ بھی موقع نہیں گنوانا چاہتیں۔ ادھر ہماری خالہ کے بھی یہی خیالات ہیں۔ خولہ کو وہ یہی سمجھا رہی تھیں۔" سدرہ نے خوامخواہ درمیان میں دخل دیا۔

"ہاں۔۔۔ مجھے بھی یہی لگتا ہے۔۔۔ تمہاری خالہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔"

صرتیا نے بڑی چبھتی نظروں سے حبیبہ کا جائزہ لیتے ہوئے اس سے بھی زیادہ چبھتے لہجے میں کہا جس پہ حبیبہ نے خفا ہو کے کراہیت سے دیکھا۔

"مقبول علی کا بچپن کا دوست ہے۔"

"کس کے بچپن کا؟" سدرہ نے وہ سوال پوچھا جو ان دونوں کو دیکھنے کے بعد سب ہی کے دل میں پیدا ہوا تھا۔

"ظاہر ہے علی کے بچپن کا۔ مقبول سے جب اس کی دوستی ہوئی تو وہ تھا کوئی بیس اکیس سال کا اور میرا علی ابھی تیرہ یا بمشکل چودہ کا ہو گا۔ فٹ بال کا بڑا اچھا کھلاڑی تھا۔"

"کون؟" یہ پھر سدرہ تھی۔

"ظاہر ہے علی اور کون۔" وہ بدمزہ ہوئیں بار بار کے ٹوکنے کے عمل سے۔

"اتنا اچھا کھیلتا تھا اسکول کے دنوں سے ہی کہ سوسائٹی کے کلب نے اسے فٹ بال کی ٹیم میں سلیکٹ کر لیا۔ یہ ساری ٹیم میں سب سے کم عمر تھا مگر ماشاءاللہ قد کاٹھ کی وجہ سے سب کے برابر لگتا تھا اور وہ کپتان تھا ٹیم کا۔"

"ظاہر ہے آپ کا علی۔۔۔" سدرہ کی زبان پہ کھجلی ہوتی چلی جا رہی تھی۔

"ہیں۔۔۔ مقبول۔۔۔"

"مکمل ہے، فٹ بال تب کا علی سب سے اچھا کھیلتا تھا اور کپتانی سونپ دی انہوں نے مقبول صاحب کو۔ سخت دھاندلی ہوئی یہ۔ سلیکشن ٹیم میں کوئی ان کا چاہنا ہو گا۔"

"کس کا؟" اس بار سوال صرتیا کی جانب سے ہوا۔

"ظاہر ہے مقبول صاحب کا۔"

"نہیں، خیر ایسی کوئی بات نہیں۔ اچھا کھیلتا تھا وہ بے چارہ بھی۔"

"اوہ۔۔۔ تبھی ہی۔۔۔ جتنی اچھا کھیلنے والے بے چارے ہوتے ہیں۔" سدرہ نے سمجھ داری سے سر ہلایا۔

"تو۔۔۔ گھر جا کے علی کا سر ہلتا چومیں کہ شاباش ہے تمہاری دور اندیشی کو جو بروقت فیصلہ کر لیا۔" صرتیا بڑبڑائیں۔

حبیبہ اب تک الجھی بیٹھی تھی۔ اس بے کار کی بحث سے وہ جز بز ہوئی۔ "آپ کچھ کہہ رہی تھیں صباحی!"

"ہاں۔۔۔ وہ میں مقبول کے بارے میں بتا رہی تھی۔" تنے موڈ کے ساتھ انہوں نے بتانا شروع کیا۔

"وہ شادی کے لیے مان گیا ہے۔"

"دیر آید درست آید۔" سدرہ نے لقمہ دیا۔

"اب یہ تو پتا نہیں کہ درست آید کہ غلط آید۔" وہ پھر بڑبڑائیں۔

"اور شادی کے لیے اس نے اپنی پسند بھی بتا دی ہے۔"

اس بار سدرہ نے کوئی لقمہ دینے کی زحمت نہیں کی بلکہ سر سے اپنے لفظ ہی سمیٹ کر چھپا لیے۔ اسے اپنی فکر پڑ گئی تھی۔

"تو۔۔۔ اتنی مشکل سے پیچھا چھڑایا ہے ایک سے۔ اب یہ دوسرا دے گا زکے بیٹھ گیا ہے۔"

"وہ حبیبہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"کیا۔۔۔؟" حبیبہ اپنی سیٹ سے اچھل پڑی۔ "دماغ تو خراب نہیں ہو گیا آپ کے مقبول صاحب کا۔"

"لگتا تو یہی ہے۔" صرتیا نے صاف گوئی سے کہا۔

"اور جن کے دماغ خراب ہو جائیں ان پہ پھر کسی

کے سمجھانے بجھانے کا بھی اثر نہیں ہوتا اسی لیے میں نے سوچا اس کام پہ وقت برباد کرنے کے بجائے میں وہی کرلوں جس کے لیے دل مچل رہا ہے۔"

"یعنی آپ۔" سدرہ نے غور سے انہیں دیکھا پھر ایک نظر حبیبہ کے رنگ اڑے چہرے پہ ڈالی۔ "یعنی آپ خالہ کا رشتہ لے کر آئی ہیں؟"

"یہی سمجھ لو۔"

"آپ کہتی ہیں تو سمجھ لیتے ہیں ورنہ آپ کے تیور دیکھ کے تو لگتا ہے آپ کوئی پرانا قرضہ مانگنے آئی ہیں۔"

"آپ جس کام سے بھی آئی ہوں اس کام کو بھول جائیے۔ چائے پئیں، چکن پکوڑا کھائیں، چاکلیٹ کیک چکھیں اور خوشی خوشی اپنے گھر کو جائیں۔"

یہ حبیبہ کا بڑا مسکراکر دیا ہوا مشورہ تھا جسے سن کر سر تن تن کرتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا مقبل سے کہ کہیں ذلیل کرانا ہے مجھے۔ ایسی چلتی پھرتی بیوہ قیامتیں صرف دنیا کے مزے لیتی ہیں۔ خود کو اپنی جوانی کا احساس دلانے کے لیے کہ ہاں بھئی ابھی ہے ہم میں دم خم۔ ابھی بڑے آسکتے ہیں پیچھے پیچھے۔ مگر گھر بسانے پہ کبھی راضی نہیں ہوں گی۔"

اور جاتے جاتے پیچھے مڑ کے نہ دیکھا۔

"یہ کیا کیا تم نے خالہ؟"

"کیوں، چکن پکوڑا کہنا ہے کیا؟ نہیں آفر دے کر برا کیا میں نے؟ خیر وہ کون سا رکی ہیں۔ تم لاؤ، ہم مل کے اڑاتے ہیں۔" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے اور ٹرے تھام کر لیا۔

"خالہ۔۔۔ ماما کا فون تھا۔" سدرہ نے اطلاع دی۔

"وہ آرہی ہیں۔" مزید لفظوں میں بھی کیا مگر حبیبہ کے اطمینان میں کوئی فرق نہ آیا۔ سدرہ نے آگے بڑھ کے ٹرے پہ چکن پکوڑا نہ اٹھایا تھا نہ واک میں نظر آرہا تھا۔

"آپ نے سنا۔" سب کے بعد پتا چلا۔

"ہاں سنا اور حیرت مجھے تب ہوتی اگر تم ان کے آنے کی اطلاع نہ دیتیں۔ ان ایکٹ میں نے تو کل ہی شاہ رخ کو ان کے لیے کمرہ سیٹ کرنے کا کہہ دیا تھا۔"

"شاہ رخ۔" وہ سدرہ کو نظرانداز کیے آواز دے رہی تھی۔

"جی باجی۔" وہ جمائیاں لیتا نمودار ہوا۔

"نفیسہ بانی کے کمرے میں جالے، چھڑیاں چاٹو سب رکھ دینا انہیں ضرورت ہوگی۔"

"جی بی۔۔۔؟ ضرورت۔۔۔؟ ان سب چیزوں کی ضرورت۔۔۔؟"

"ہاں میری تواضع کرنے کے لیے۔"

"خالہ بی سیریس۔" وہ چڑ گئی۔

"میں نے باتھ روم میں نئے تولیے، صابن، شیمپو اور ٹوتھ پیسٹ رکھ دیا ہے۔ نیا کور بیڈ کور بچھا دیا ہے۔ چھپنے والا کمبل نکال کے رکھ دیا ہے۔ کمرے پہ ویکیوم کروا دیا ہے۔ شوپیس کا نیا ڈبہ بھی رکھ دیا ہے۔ آپ کے جو رشتے دار آتے ہیں ان کو نزلہ زکام ضرور ہوتا ہے۔ بڑے ہی شوپیس ضائع کرتے ہیں اور ہاں ہائے نماز لور تسبیح بھی رکھ دی ہے۔ حالانکہ مجھے پتہ نہیں کہ اللہ نے بھی ان کو نماز پڑھنے کی توفیق بھی دی ہے یا نہیں۔ اے ابھی تو بھی نہیں "توا زوے" نہیں ہے۔"

وہ ساری کارگزاری بیان کرنے کے بعد بڑے درد بھرے انداز میں گنگنا بھی گئی۔

"میں یہاں نکلوں میں بھی ہوا ہوں تو کہیں نکلوں میں بھی رہی ہوگی۔"

حبیبہ کا سارا دھیان اس کی بدحواس تو از پہ تھا۔ وہ جیسے گانے کے ان بولوں میں کھو چکی تھی۔

"خالہ! میں کچھ کہہ رہی ہوں، ماما کل رات کی فلائٹ سے آرہی ہیں۔"

"تو آنے دو میری جان۔" حبیبہ کے لہجے میں صدیوں کی تھکن سمٹ آئی۔ "پہلا موقع نہیں ہے جب تم نے محض اکیلے ہی نمٹائے ہیں میں نے سب ونٹ دی۔"

☆ ☆ ☆

"مہر میری دوست ہے، اتنا کہہ رہی ہے تو ایک بار اس سے مل لینے میں حرج کیا ہے؟"

"ایک بار مل چکی ہوں۔"

"مگر۔" نفیسہ تلملائیں۔ "وہ آپ کی دوست ہے تو کیا صرف اس کا دل رکھنے کے لیے میں ہر ایرے غیرے سے ملاقاتیں کرتی پھروں۔"

"تب تو ایسے رہی ہو جیسے پردے میں بیٹھی ہو۔" نفیسہ کو بھی غصہ آگیا۔ "پہلے اس سے اتنی لگاوٹ سے نہیں ملتا تھا، نہیں کرنی تھی اتنی حوصلہ افزائی کہ وہ رشتہ مانگنے پہ تل بیٹھتا۔"

"باجی۔" وہ دنگ رہ گئی۔ اتنی نہیں نظر آنے والی عورت کے ایسے خیالات جان کے۔

"اگر تمہاری شادی کرکے گھر بسانے کی نیت نہیں ہے تو اسی طرح رہو۔ جیسے بیوائیں رہتی ہیں۔ یوں کونوں پہ نمی فنگ والی قمیصیں پہن کے، بال رنگ کے کاندھوں پہ بکھرائے اور پتلونیں کس کے بیڈمنٹن کھیلنے۔ لوگ غلط فہمی کا شکار تو ہوں گے۔"

"یعنی آپ کا خیال ہے خود کا خیال رکھنا، زندگی کو زندہ دلی سے جینا ان سب کا مطلب ہے کہ میں کسی "بیچ" کی تلاش میں ہوں۔؟"

"تو اور کیا؟۔ اگر تم چاہتی ہو کہ تمہاری شادی کے سلسلے میں تم پہ دباؤ نہ ڈالیں تو بی بی ذرا اپنے رنگ ڈھنگ اور اطوار درست کرو۔ اپنی عمر کے مطابق رہو۔ تاکہ آئے دن لوگ منگنی کی انگوٹھی ہاتھ میں پکڑے یہاں کے پھیرے نہ لگا رہے ہوں۔ اور اگر یہ سب نہیں کرتیں۔ تو کر لو کسی سے نکاح نام کے آگے ہو کا بورڈ لگا ہو تو کوئی انگلی نہیں اٹھائے گا۔ اپنے شوہر کی مرضی سے چاہے پتلون پہن کے بیڈمنٹن کھیلنا، چاہے نیکر پہن کے ہاکی۔"

سدرہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنی ماما کے منہ پہ ہاتھ رکھ دے۔ آج سے پہلے اسے ماما کی صاف گوئی پہ خاصا ناز تھا۔ فخر کیا کرتی تھی۔ میری ماما منافق نہیں ہیں۔ نہ ہی دوغلی جو دل میں ہوتا ہے وہی زبان پہ ہوتا ہے۔

لیکن آج احساس ہو رہا تھا کہ اگر دل میں یہ سب ہو۔ تو اسے دل میں رکھنا ہی مناسب ہے۔ دل کی باتیں تب زبان پہ لانی چاہئیں جب دلانے کے قابل ہوں۔

"ٹھیک ہے۔ آپ باتیں اپنے مقبل صاحب کو۔" حبیبہ نے ایک گہری سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"مگر اس سے آگے مجھ سے یہ امید نہ رکھیں کہ میں بغیر سوچے سمجھے صرف آپ سب کو مطمئن کرنے کی خاطر اس رشتے پہ رضامندی ظاہر کردوں گی۔ آپ کو جو شوق سوار ہوا ہے۔ آپ اسے پورا کرنے کی کوشش کرلیں۔ صرف کوشش۔"

خولہ نے کھوجتی نظروں سے حبیبہ کے چہرے کو ٹٹولنا چاہا۔ کہ اس وار تنگ۔ یا چیلنج کی تہہ میں اتر سکے مگر ناکام رہی۔

☆ ☆ ☆

"ڈرائنگ روم میں مقبل اور علی ایک بار پھر بیٹھے تھے۔ سامنے والے صوفے پہ آج بھی اس دن کی طرح حبیبہ اور سدرہ بیٹھی تھیں مگر آج کمرے میں چند اور نفوس کا بھی اضافہ تھا۔

نفیسہ کا۔ نفیسہ کے شوہر سمیع اللہ۔

مہر۔ اور مہر کا شوہر حمید۔

"تو آپ شادی کرنا چاہتے ہیں مجھ سے؟" خلاف توقع حبیبہ نے ڈائریکٹ مقبل سے پوچھ ڈالا۔

"جی۔ مگر آپ کی رضامندی سے۔" وہ اس کے چہرے کی جانب جھک کر مسکرایا۔

"کچھ باتیں واضح ہو جائیں تو بہتر ہے۔" سمیع اللہ نے کھنکار کے اپنی بات کا آغاز کیا۔ "حبیبہ کے پہلے شوہر انور شفیق کی بات۔"

"جی میں جانتا ہوں۔" مقبل نے ان کی بات کاٹی۔

"مہور صاحب سے ایک زمانے میں میری سلام دعا رہی ہے۔ اور میں تب بھی جانتا تھا کہ حبیبہ ان کی بیگم تھیں۔"

حبیبہ نے چونک کر اسے دیکھا اور تعجب کے

رنگ آنکھوں میں بھرے اس کے چہرے سے شناسائی تلاشنی چاہی۔

"کون۔ تو بات خاصی پرانی ہے۔"

سرمئی خمار آلود آنکھیں جھماتے ہوئے کہتی زیر لب مسکرائی تھیں۔

"کل۔ خاصی پرانی۔" مقبول نے تصدیق کی۔

حبیبہ خود پہ گزری بیتی اور سنوئی کی نظروں سے گھبرا اٹھی۔

"مگر میرا نہیں خیال کہ حبیبہ اس بارے میں کچھ جانتی ہوں گی۔ ان سے ایک تو ہماری ملاقات ہوا ہوگا میرا اور وہ بھی سرسری سا۔ ان ٹیکٹ پچھلی بار جب میں ان سے یہاں ملا تھا تب میں بھی فوری طور پہ پہچان نہیں پایا تھا۔"

"تب۔" حبیبہ نے پوچھا تھا۔

"میں ان دنوں ہاؤس جاب کرنے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر جلیل کے کلینک میں انہیں اسسٹ بھی کر رہا تھا جب انور صاحب ان کے زیر علاج تھے اور وہیں پہ نسب۔"

"ایکسٹو۔" حبیبہ نے سر جھٹک کر اداسی میں گھٹی گھٹی بولی۔ "پلیز آپ جا سکتے ہیں۔"

حبیبہ نے تنبیہہ کی۔ سر بھی ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تم نے حبیبہ میں تو مقبول کے کہنے پہ آنی ہی رہنا تھا یہاں کیا ہونے والا ہے۔ جو مرے ہوئے شوہر کو بخشنے پہ تیار نہیں۔ اس کے کسی واقف کار تک کا نام سنتے ہی اسے کھڑے کھڑے گھر سے جانے کا کہہ دیتی ہو۔ وہ کسی اور کو شادی کے بعد کیا سلام دے گی۔"

"یعنی میری توقع کے عین مطابق آپ لوگ اصلیت سے واقف نہیں ہیں۔"

مقبول نے حبیبہ کی کسی بات کا اثر ہوتا نظر نہیں آیا تھا۔ وہ اطمینان سے بیٹھا کہہ رہا تھا۔

"کیسی اصلیت؟" مقبول سوال سنتے اٹھنے کی جانب سے آئی۔

"آپ کو کوئی حق نہیں ہے کسی کی اصلیت کسی دوسرے پہ بلا وجہ کھولنے کی۔" حبیبہ نے ہر شدت سے ہار کر کہنا چاہا۔

"ہاں۔ تم تو یہی چاہو گی۔ جھگڑنے کے بعد بھی پھوٹ کر نہیں بتایا کہ وجہ کیا تھی۔ مرگیا مرنے والا تب بھی معاف نہ کیا دل سے۔ نہ بھی اس کے لیے خاطر بڑھی۔"

حسن کے فاقہ زدہ چہرے سے شاید انور صاحب کی مغفرت ہو جائے۔ مگر ان کے بہت پر عمل نہ کرنے پہ بھی ہو چکو انہوں نے انور صاحب کے لیے کیا ہے اس پہ ان کی بعض ضرور حبیبہ کی شکر گزار ہو گی۔

"یہ مطلب ہے تمہارا۔ بچپن ہو گیں۔"

"یار۔ اب بس بھی کرو۔ سسپنس پھیلانا۔ بات ختم کرو۔" سہیل نے بھی ٹوکا تھا۔

"ڈاکٹر جلیل کے ریکمنڈ پیشنٹ تھے انور شفیق صاحب۔ وہ ذہنی بالغ پن کے مرض کا شکار تھے اور اپنا اچھا علاج کروا رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے انہیں جو رشتہ ازدواج شادی کرنے سے روکا تھا مگر وہ اپنی بیمار والدہ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے بھی شادی کر بیٹھے۔ شادی کے بعد بھی انہوں نے علاج ترک نہیں کیا مگر اب وہ زندہ شدت سے اپنے مرض کا خاتمہ ہوتے دیکھنا چاہتے تھے۔ انہی دنوں ڈاکٹر جلیل کو وہ سینے کے لیے انگیجڈ جا رہا تھا۔ ان دو مہینوں میں انور صاحب کی کلینک پہ آمد کا سلسلہ رک گیا۔ اور دو ماہ کے بعد جب ڈاکٹر صاحب آئے اور میں نے بھی دوبارہ کلینک جانا شروع کیا تب انور صاحب اپنی بیگم کے ساتھ آئے۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ میرا مطلب ہے حبیبہ صاحبہ کہ۔"

مقبول نے حبیبہ کے فق ہوتے چہرے کی طرف دیکھا۔

"کلینک میں ہی کوئی کاؤنٹر کا ہیڈ کے پاس ان کا چیک اپ کروایا گیا اور رپورٹ ملی کہ یہ پریگنینٹ ہیں۔"

"کیا؟" نفیسہ نے حیرت سے حسن کی جانب دیکھا۔

"مگر ہمیں تو کبھی پتا ہی نہیں چلا کہ حبیبہ پہ۔"

"ہاں۔ کیونکہ اس خبر کی مدت بس چند گھنٹے ہی تھی۔ انور صاحب نے وہیں کلینک میں ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ وہ کسی بھی طرح اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اپنی میڈیکل رپورٹ کے مطابق وہ کسی بھی طرح اس کے اہل نہیں ہیں پھر ان کی بیوی حاملہ کیسے ہو سکتی ہے۔ حبیبہ صاحبہ پہ بھی یہ انکشاف اسی وقت ہوا تھا۔ اپنے امید سے ہونے کا بھی۔ اور اپنے شوہر کے تنفس کے بارے میں بھی۔ مجھے آج تک عورت کی بے بسی اور بے وقعتی کے وہ توہین آمیز لمحات یاد ہیں۔ جب ایک عورت اجنبی لوگوں کے مجمع میں ایک بپھرے ہوئے شخص سے مغلظات سن رہی تھی۔ اور سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اپنے امید سے ہونے کی خوش خبری پہ شکرانہ ادا کرے یا اپنے کردار کی دھجیاں اڑنے پہ ماتم کرے۔"

مقبول نے حبیبہ کے چہرے پہ پھیلے آنسو دیکھے اور لمحہ بھر کے لیے چپ ہوا۔

"ڈاکٹر جلیل نے بہت مشکل سے معاملے کو ہینڈل کیا۔ اگر انور صاحب صرف ان کے پیشنٹ ہوتے تو وہ اس بدتمیزی اور ہنگامہ آرائی پہ انہیں کلینک سے باہر پھنکوا دیتے مگر وہ ان کے دوست بھی تھے۔ اس لیے بمشکل انہیں سمجھا بجھا کے وہ لیبارٹری میں لے گئے ٹیسٹ وغیرہ کرانے کے لیے کہ ایسا ہوتا ہے۔ اکثر کیسز میں علاج ترک کرنے کے کچھ عرصے بعد ممتری کے آثار خود بخود پیدا ہونے لگتے ہیں۔ مگر جو کچھ وہ کہہ گئے تھے' وہ حبیبہ برداشت نہ کر سکیں۔ پھر کلینک میں موجود لوگ۔ ان کی باتیں۔ طعنے۔ الزام۔ ادھر انور شفیق صاحب لیبارٹری میں تھے۔ ادھر حبیبہ صاحبہ ڈاکٹر رخشندہ کے کلینک میں۔ انور صاحب کی رپورٹس آنے سے پہلے پہلے وہ اس امید سے ہاتھ دھو بیٹھیں جو چند گھنٹے قبل جس کی خوش خبری سنی تھی۔"

حبیبہ کی سسکیاں ماحول کے سکوت کو بوجھل کرنے لگیں۔ اندر کمرے میں بیٹھی خولہ کو اور سدرہ کو بھی دروازے سے لگی ساری بات سنتے ہوئے سسک انہیں۔

"پھر رپورٹس آ گئیں' ان کی پاک دامنی ظاہر ہو گئی۔ انور صاحب مکمل صحت یاب ہو چکے تھے۔ مگر وہ شرمندہ تھے' معافی مانگ رہے تھے مگر اس کا وقت گزر چکا تھا۔ اس کے بعد کے حالات میں نہیں جانتا۔ مگر اتنی دن حبیبہ صاحبہ سے دوبارہ ملنے کے بعد اور مسز آپا سے ان کی زندگی کے چند حالات جاننے کے بعد میرے دل میں ایک دم ان کی عظمت بڑھ گئی۔ حالانکہ آپا نے کوئی خاص اچھی باتیں نہیں بتائی تھیں ان کے بارے میں۔ مگر میں جان گیا۔ انہوں نے کس طرح بھرم قائم رکھا۔ اپنا بھی اور اپنے مرحوم شوہر کا بھی۔ وہ کبھی انور صاحب کو معاف نہیں کر سکیں۔ اسے میں ان کی کم ظرفی نہیں۔ ان کی نسوانیت اور وقار کی جیت کہوں گا۔ انور صاحب نے جس طرح سرِعام ان پہ بہتان تراشی کی تھی۔ اس ذلت کے بعد شاید ہی کوئی عورت کسی ایسے مرد کو اپنی زندگی میں وہ مقام دے پائے جو عزت' محبت اور اپنائیت کا متقاضی ہوتا ہے ہاں مگر' انہوں نے اصل حالات بھی کسی کو نہیں بتائے۔ کیا پتہ۔ اپنا بھرم رکھنے کے لیے۔ کیا پتہ انور صاحب کا بھرم رکھنے کے لیے۔ یا شاید آپ سب کا بھرم رکھنے کے لیے۔"

اس بات پہ نلیسہ نے سوالیہ نظروں سے اسے الجھ کے دیکھا۔

"جی۔ آپ سب کا۔ اپنے خونی رشتوں کا بھرم۔ کیا پتہ آپ بھی ان کا یقین کرتے۔ یا نہ کرتے۔ انہوں نے اس امتحان میں نہیں ڈالا آپ کو۔ اور خود کئی سالوں سے اس امتحان میں ہیں۔"

نلیسہ نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

اسی وقت مزید کچھ کہہ رہا تھا کہ وہ خولہ کا ہاتھ تھامتی باہر نکل آئی اور روتی بلکتی حبیبہ کے پاس بیٹھ کے اس کا سر اپنے شانے سے لگا لیا۔

اس کی ایک ملامتی نظر نے اس کی ماں کو نگاہیں جھکانے پہ مجبور کر دیا۔

"میں یہ جاننے کے بعد بھی حبیبہ سے شادی کرنے

کا خواہش مند ہوں کہ اس حادثے کے نتیجے میں یہ اب کبھی ماں نہیں بن سکتیں۔ اس لیے کہ ماں بن کے عورت مکمل ہوتی ہے جبکہ حبیبہ پہلے ہی مکمل ہیں۔ ایک مکمل عورت۔ جنہوں نے اپنے ساتھ ہونے والے ظلم پہ کسی کی ہمدردی نہیں لینا چاہی۔ کسی کا سہارا نہیں لینا چاہا۔ نہ سمجھوتہ کرتے ہوئے اس شخص کے پاس دوبارہ لوٹیں جو قاتل تھا۔ ان کے اعتماد کا۔ ان کے وقار کا۔ ان کی اولاد۔ ان کی کوکھ کا۔ ایسی ہی مکمل اور اپنے وقار کی خاطر سب کچھ برداشت کر جانے والی عورت میرا آئیڈیل ہے۔"

☼ ☼ ☼

"پھر تو ایسا کرے مکمل۔ سیدھی کر دے سب کی چال۔

او چھورا۔ گنج کا نتارے ہو۔"

شاہ رخ جھوم جھوم کے صفائی کر رہا تھا۔

"شاہ رخ! تم نے کمرہ سیٹ کر دیا؟"

خولہ نے اس کے سر پہ کھڑے ہو کے پوچھا۔

"ہاں جی۔ چکا چوند کر رہا ہے۔ دیکھ لیں جا کر۔"

"علی۔" خولہ نے زور سے آواز دی۔

"جی بیگم صاحبہ۔" وہ فوراً چراغ کے جن کی طرح سینے پہ ہاتھ باندھے حاضر ہو گیا۔

"یہ غلط بات ہے۔ آپ نے میری لائن بول دی۔" شاہ رخ نے احتجاج کیا۔

"یار۔ یہ تم کیوں پکڑ لائی تھیں۔؟" علی نے حسبِ عادت شاہ رخ کو ناک چڑھا کے دیکھتے ہوئے خولہ سے پوچھا۔

"کیونکہ اسے ٹرسٹ والے لینے پہ تیار نہیں تھے۔"

حبیبہ نے مقبول کے کہنے پہ انور شفیق کی وہ ساری جائیداد' بنگلہ' دکانیں سب فروخت کر کے کسی ٹرسٹ کو پیسہ دے دیا تھا۔

"مجھے اب ان سب کی ضرورت نہیں۔ شاید پہلے بھی نہیں تھی مگر انور کے لیے میرے دل میں جو غصہ دبا رہ گیا تھا۔ اور جو اس کی اچانک موت کی وجہ سے بھی اس پہ ظاہر نہیں ہو سکا۔ وہ میں اس پیسے کے بے دریغ استعمال سے نکال لیا کرتی تھی۔ مگر اب نہیں۔ شاید یہ سب خیرات کر کے میں اپنے دل میں بھی غصے کی جگہ سکون اور اطمینان بھر سکوں اور انور کی مغفرت بھی ہو جائے۔"

"پاگل خانے جمع کروا دیتا تھا اگر ٹرسٹ والے نہیں رکھ رہے تھے۔" علی بڑبڑایا۔

"او۔ ایسے ہی۔ اتنے کام کا ہے۔ صفائی۔ کوکنگ' گارڈننگ' ہر کام میں تیز۔ اور گانے مفت میں۔"

"گانے تو میں بھی تمہیں سنا سکتا ہوں۔" وہ شرارتی ہوا۔

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے شوکت علی کے بلیمنے سننے کا۔"

"یار! فون تو کرنا تھا کہاں رہ گئے مقبول اور مسز مقبول۔"

"میں نے کیا تھا' گوجرانوالہ کراس کر رہے تھے تب۔ اب تو آنے والے ہوں گے' ان ہی کا کمرہ تو سیٹ کروا رہی تھی میں۔"

"او۔ ہم لیا اور حاضر۔" علی گیٹ پہ بجتے مسلسل ہارن کو پہچان کے باہر لپکا خولہ طمانیت سے مسکرائی۔

"تھینک یو حبیبہ جی۔ آپ کا مشورہ ان کے میں نے علی جیسا ساتھی پا لیا۔ اور تھینک یو۔ کہ آپ نے میرا مشورہ مان کے مقبول بھائی جیسے قدر دان کو واپس نہ لوٹایا۔"